سلسلہ تعلیماتِ اسلام ۳

اِیمان

اِفادات

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز

سلسلہ تعلیماتِ اِسلام: 3

ایمان

اِفادات

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

مرتّبہ

مسز فریدہ سجاد، کوثر رشید

شعبہ دعوت، منہاج القرآن ویمن لیگ

منہاج القرآن پبلی کیشنز

365- ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 35168514، 042-111-140-140

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 37237695

www.Minhaj.org-sales@Minhaj.org

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

سلسلہ تعلیماتِ اِسلام: 3

نام کتاب	:	**اِیمان**
اِفادات	:	**شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری**
مرتبہ	:	مسز فریدہ سجاد، کوثر رشید
معاونت	:	مصباح کبیر، رُخسانہ خان
زیرِ اِہتمام	:	فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹیٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعت نمبر 1	:	اپریل 2005ء (1,100)
اِشاعت نمبر 2	:	جولائی 2005ء (1,100)
اِشاعت نمبر 3	:	اپریل 2009ء (1,100)
اِشاعت نمبر 4	:	اکتوبر 2011ء (500)
اِشاعت نمبر 5	:	جولائی 2012ء
تعداد	:	1,200
قیمت	:	-/90 روپے

ISBN 969-32-0405-0

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے کیسٹس اور CDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

fmri@research.com.pk

بسم الله الرحمن الرحيم

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْكَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

﴿ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَ بَارَكَ وَسَلَّمَ ﴾

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی-۱) ۴-۱/۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل وایم۴/۹۷۰-۷۳، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این-۱/ اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چٹھی نمبر س ت/ اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱/ ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

فہرس

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۞	پیش لفظ	۱۳
سوال : 1	ایمان کسے کہتے ہیں؟	۱۵
سوال : 2	ایمان کا معنی و مفہوم کیا ہے؟	۱۵
سوال : 3	ایمان کی حقیقت کیا ہے؟	۱۵
سوال : 4	قرآن حکیم میں لفظ ایمان کتنی بار آیا ہے؟	۱۶
سوال : 5	ایمان کا موضوع کیا ہے؟	۱۶
سوال : 6	عقیدہ کسے کہتے ہیں؟	۱۶
سوال : 7	ایمان اور عقیدہ میں کیا فرق ہے؟	۱۷
سوال : 8	عقائد سے تعلق رکھنے والے علم کو کیا کہتے ہیں؟	۱۷
سوال : 9	کیا محض علم آ جانے سے ایمان کی کیفیت نصیب ہوتی ہے؟	۱۷
سوال : 10	ایمان کی صفات کون سی ہیں؟	۱۸
سوال : 11	ایمان مجمل کیا ہے؟	۱۹
سوال : 12	ایمان مفصل کیا ہے؟	۱۹

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۲۰	انسان کو کن چیزوں پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے؟	سوال : 13
۲۱	ایمان باللہ کسے کہتے ہیں؟	سوال : 14
۲۱	اللہ تعالیٰ کی صفات کون سی ہیں؟	سوال : 15
۲۳	کیا اللہ تعالیٰ کی صفات کسی مخلوق میں پائی جا سکتی ہیں؟	سوال : 16
۲۷	وہ کون سی صفات ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں؟	سوال : 17
۲۸	صفات ذاتی اور صفات عطائی میں کیا فرق ہے؟	سوال : 18
۲۸	ایمان بالرسل سے کیا مراد ہے؟	سوال : 19
۲۹	نبی اور رسول کسے کہتے ہیں؟	سوال : 20
۲۹	سابقہ انبیاء کرام کی رسالت اور رسالتِ محمدی ﷺ میں کیا فرق ہے؟	سوال : 21
۳۱	حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثتِ مبارکہ کے بعد کسی اور کو نبی ماننے والے کے لئے کیا حکم ہے؟	سوال : 22
۳۲	خاتم النبیین سے کیا مراد ہے؟	سوال : 23
۳۳	ایمان بالآخرت سے کیا مراد ہے؟	سوال : 24
۳۳	برزخ کسے کہتے ہیں؟	سوال : 25

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
سوال : 26	قیامت کسے کہتے ہیں؟	۳۴
سوال : 27	علاماتِ قیامت سے کیا مراد ہے؟	۳۴
سوال : 28	جنت کسے کہتے ہیں؟	۳۴
سوال : 29	دوزخ کسے کہتے ہیں؟	۳۷
سوال : 30	ایمان بالکتب سے کیا مراد ہے؟	۳۸
سوال : 31	اللہ تعالیٰ کی مشہور آسمانی کتابیں کون سی ہیں اور وہ کن پیغمبروں پر نازل ہوئیں؟	۳۸
سوال : 32	کیا سابقہ آسمانی کتابیں اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں؟	۳۹
سوال : 33	قرآن حکیم نازل ہو جانے کے بعد سابقہ کتابوں کا کیا حکم ہے؟	۳۹
سوال : 34	ایمان بالملائکہ کا مفہوم کیا ہے؟	۴۰
سوال : 35	فرشتے کون ہیں اور کس چیز سے پیدا کیے گئے ہیں؟	۴۱
سوال : 36	فرشتوں کے ذمہ کونسے کام ہیں؟	۴۲
سوال : 37	انسانوں کے اچھے اور برے اعمال لکھنے والے فرشتے کون سے ہیں؟	۴۳
سوال : 38	ایمان بالقدر سے کیا مراد ہے؟	۴۵
سوال : 39	قضا وقدر سے کیا مراد ہے؟	۴۶

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۴۷	کیا تقدیر کا فیصلہ اٹل ہوتا ہے یا بدل بھی سکتا ہے؟	سوال : 40
۵۰	کیا قضاء و قدر کے مسئلے پر غور و فکر کرنا جائز ہے؟	سوال : 41
۵۱	دین اسلام سے کیا مراد ہے؟	سوال : 42
۵۲	ایمان اور اسلام میں کیا فرق ہے؟	سوال : 43
۵۲	مسلمان کی تعریف کیا ہے؟	سوال : 44
۵۳	مسلمان ہونے کے لئے بنیادی شرط کیا ہے؟	سوال : 45
۵۳	کلمہ طیبہ کسے کہتے ہیں؟	سوال : 46
۵۳	کیا انسان اپنی مادری زبان میں توحید اور رسالت کا اقرار کر لینے سے مسلمان ہو جاتا ہے؟	سوال : 47
۵۳	کیا کلمہ طیبہ کے سوا اور کوئی ایسا کلمہ بھی ہے جسے پڑھنے اور ماننے سے انسان مسلمان بن جاتا ہے؟	سوال : 48
۵۴	کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت میں کیا فرق ہے؟	سوال : 49
۵۴	گونگے آدمی کا اسلام کیسے معلوم ہوگا؟	سوال : 50
۵۴	اگر کوئی شخص ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کر دے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟	سوال : 51
۵۵	مسلمان ہو کر بھی ہمارا ایمان کمزور کیوں ہے؟	سوال : 52
۵۵	مضبوط اور قوی ایمان کی کیفیت کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟	سوال : 53

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
سوال : 54	یقین کے کتنے درجے ہیں؟	۵۵
سوال : 55	علم الیقین سے کیا مراد ہے؟	۵۶
سوال : 56	عرفان سے کیا مراد ہے؟	۵۷
سوال : 57	ایقان سے کیا مراد ہے؟	۵۸
سوال : 58	ایمان کا ادنیٰ و اعلیٰ درجہ کیا ہے؟	۶۰
سوال : 59	ایمان کی خوبی کیا ہے؟	۶۳
سوال : 60	کیا ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے؟	۶۴
سوال : 61	موجودہ دور زوال میں ایمان کی حفاظت کس طرح ممکن ہے؟	۶۶
سوال : 62	تعلق باللہ سے کیا مراد ہے؟	۶۶
سوال : 63	تعلق بالرسول سے کیا مراد ہے؟	۶۸
سوال : 64	تعلق بالقرآن سے کیا مراد ہے؟	۶۸
سوال : 65	ایمان کی استقامت پرکھنے کا پیمانہ کیا ہے؟	۶۹
سوال : 66	استقامت کی پہلی آزمائش سے کیا مراد ہے؟	۷۰
سوال : 67	استقامت کی دوسری آزمائش کیا ہے؟	۷۱
سوال : 68	استقامت کی تیسری آزمائش کون سی ہے؟	۷۱
سوال : 69	استقامت کی چوتھی آزمائش کیا ہے؟	۷۲
سوال : 70	استقامت کی پانچویں آزمائش کون سی ہے؟	۷۲

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
سوال : 71	ایمان کی شاخوں سے کیا مراد ہے؟	۷۲
سوال : 72	آداب ایمان کتنے اور کون کون سے ہیں؟	۷۳
سوال : 73	آج کے دور میں امت مسلمہ بالعموم، اور نوجوان نسل بالخصوص ایمان کی تاثیر سے کیوں محروم ہیں؟	۷۵
سوال : 74	نظریاتی حملہ کیا ہے اور اس کا تدارک کیسے ممکن ہے؟	۷۶
سوال : 75	ثقافتی حملہ سے کیا مراد ہے اور اس کا تدارک کیسے ممکن ہے؟	۷۷
سوال : 76	امت مسلمہ کے خلاف ہونے والے جذباتی حملہ سے بچاؤ کیسے ممکن ہے؟	۸۰
سوال : 77	ایمان میں حضور نبی اکرم ﷺ سے تعلق کی کیا اہمیت ہے؟	۸۱
سوال : 78	صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے کون سے اعمال تھے جنہوں نے انہیں ایمان کے بلند مرتبے پر فائز کر دیا؟	۸۳
سوال : 79	ایمان پہلے ہے یا عمل؟	۸۴
سوال : 80	ایمان میں بدنی اعمال کی کیا حیثیت ہے؟	۸۵
سوال : 81	مومن کی تعریف کیا ہے؟	۸۵
سوال : 82	مومن کتنی قسم کے ہیں؟	۸۵
سوال : 83	احادیث کی رو سے مومن کے اوصاف کیا ہیں؟	۸۶

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
سوال : 84	اللہ تعالیٰ مومن کے ایمان کو کن درجات سے نوازتا ہے؟	۸۸
سوال : 85	اگر کسی شخص کو زندگی بچانے کے لئے کلمہ کفر بولنے پر مجبور کیا جائے تو کیا اس کا ایمان زائل ہو جائے گا؟	۸۹
سوال : 86	منافق کسے کہتے ہیں؟	۹۰
سوال : 87	منافقت کی علامات کیا ہیں؟	۹۰
سوال : 88	مومن، مسلم اور منافق میں کیا فرق ہے؟	۹۱
سوال : 89	مرتد کسے کہتے ہیں؟	۹۲
سوال : 90	کافر کسے کہتے ہیں؟	۹۲
سوال : 91	ایمان سے محروم لوگ اگر اچھے کام کریں تو کیا ان کو دنیا و آخرت میں اجر ملے گا؟	۹۲
سوال : 92	وہ کون سے لوگ ہیں جن کے ایمان کو حضور نبی اکرم ﷺ نے عجیب تر قرار دیا؟	۹۳
سوال : 93	علم غیب سے کیا مراد ہے؟	۹۵
سوال : 94	کیا علم غیب عطا ہو کر بھی غیب ہی کہلاتا ہے؟	۹۵
سوال : 95	ایمان بالغیب سے کیا مراد ہے؟	۹۶
سوال : 96	کمزور ایمان والوں پر شیطان کیسے حملہ آور ہوتا ہے؟	۹۶

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
سوال : 97	ایمان کی حلاوت کن کو نصیب ہوتی ہے؟	۹۷
سوال : 98	ایمان کی صحت کی علامت کیا ہے؟	۹۸
سوال : 99	ایمان کا مرکز و محور کیا ہے؟	۹۹
سوال : 100	امت کے ایمان کی پختگی کے لئے تحریک منہاج القرآن کیا کردار ادا کر رہی ہے؟	۱۰۰
۞	مآخذ و مراجع	۱۰۳

پیش لفظ

تحریک منہاج القرآن دینی اقدار کے احیاء اور عامۃ الناس میں دینی شعور کے فروغ کے لئے زندگی کے مختلف دائرہ ہائے عمل میں ہمہ جہت خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ زندگی کے بدلتے تقاضوں اور بڑھتی رفتار کے پیش نظر ان کاوشوں کے اثرات کو افراد معاشرہ کی ہر سطح تک پہنچانے کی ضرورت ہے۔ گو اسلام کے مختلف پہلوؤں پر شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کئی کتب موجود ہیں مگر ان سے استفادہ کے لئے علمی پس منظر ضروری ہے۔ کم پڑھے لکھے اور ایک خاص استعداد سے کم افراد ان سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ اندریں حالات اسلام کی مبادیات کے بارے میں ایسا لٹریچر تیار کرنے کی ضرورت تھی جو معاشرے کے کم پڑھے لکھے افراد خصوصاً خواتین کی دینی ضروریات کو پورا کرے۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی نے فرید ملتؒ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں شعبہ خواتین قائم فرمایا، جس میں منہاج القرآن ویمن لیگ کی تحقیقی ذوق رکھنے والی خواتین اور دی منہاج یونیورسٹی کی فاضلات ہمہ وقت خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ عامۃ الناس کو سادہ، سلیس اور عام فہم انداز سے ابتدائی دینی تصورات سے آگاہ کرنے کے لئے قبل ازیں اس سلسلے کی پہلی اشاعت کے طور پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصنیف 'تعلیمات اسلام' شائع ہو چکی ہے مگر ریسرچ

انسٹی ٹیوٹ کے شعبہ خواتین میں اِسلام اور ایمان کے مختلف موضوعات پر الگ الگ کتب شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ زیر نظر کتاب پر کام کرنے والی فاضلات نے تمام مواد شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتب، خطابات، ملفوظات اور مسودات سے لیا ہے۔ اس مواد کو عام فہم انداز میں سو (۱۰۰) کی تعداد میں سوالاً جواباً مرتب کیا گیا ہے تاکہ اس موضوع پر قارئین کو نہ صرف ابتدائی ضروری معلومات فراہم ہوجائیں بلکہ ان کے ذہن میں اٹھنے والے مختلف سوالات کے جوابات بھی مل جائیں۔

زیر نظر کتاب میں 'ایمان' سے متعلق بنیادی تفصیلات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ایمان کی حقیقت، ایمان مجمل و ایمان مفصل کی تفصیلات، صفات الٰہیہ کا بیان، ایمان بالرسل، ایمان بالکتب، ختم نبوت، ایمان بالآخرت، ایمان بالملائکہ، ایمان بالقدر اور ایمان سے متعلق دیگر ضروری تفصیلات عام قاری کے لئے بیان کر دی گئی ہے۔ زندگی میں ایمان کی عملی اہمیت کے باب میں تعلق باللہ، تعلق بالرسول اور تعلق بالقرآن کی تفصیلات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ تشکیل سیرت اور تربیت کے لئے دورِ حاضر میں ایمان کے لئے سم قاتل فتنوں کے تدارک کو بھی شامل کتاب کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اپنے مندرجات کے لحاظ سے یہ کتاب قارئین کے لئے علمی اور عملی افادہ کا باعث ہوگی۔

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی
ڈائریکٹر، فریدِ ملتؒ ریسرچ اِنسٹی ٹیوٹ
14 اپریل، 2005ء

سوال نمبر 1: ایمان کسے کہتے ہیں؟

جواب: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اور رسول ﷺ کے ذریعے اللہ کے پاس سے آئے ہوئے احکام کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے۔

سوال نمبر 2: ایمان کا معنی و مفہوم کیا ہے؟

جواب: ایمان عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا مادہ ''ا۔م۔ن'' (امن) سے مشتق ہے۔ لغت کی رو سے کسی خوف سے محفوظ ہو جانے، دل کے مطمئن ہو جانے اور انسان کے خیر و عافیت سے ہمکنار ہونے کو امن کہتے ہیں۔ ایمان کا لفظ بطور فعل لازم استعمال ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے ''امن پانا''، اور جب یہ فعل متعدی کے طور پر آئے تو اس کا معنی ہوتا ہے ''امن دینا''۔(۱)

کسی پر ایمان لانے سے مراد اس کی تصدیق کرنا اور اس پر یقین رکھنا ہے۔ گویا لفظ ایمان اپنے اصل معنی اور مفہوم کے اعتبار سے امن، امانت اور بھروسے پر دلالت کرتا ہے۔

سوال نمبر 3: ایمان کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: ایمان قلب و باطن کی یقینی حالت کا نام ہے جس میں قلب و باطن دنیا کی محبت سے خالی اور اللہ کی محبت سے معمور ہوں۔ اس کی وضاحت درج ذیل حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے:

---

(۱) ۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱۳:۲۳

۲۔ زبیدی، تاج العروس من جواہر القاموس، ۱۸:۲۳، ۲۴

’’حضرت حارث بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: ’’اے حارث! (سناؤ) تم نے صبح کیسے کی؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے ایمان کی حقیقت پاتے ہوئے صبح کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے حارث! غور کر کے بتاؤ تم کیا کہہ رہے ہو؟ بے شک ہر شے کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے اپنے نفس کو دنیا کی محبت سے جدا کر لیا ہے اور راتوں کو جاگ کر عبادت کرتا ہوں اور دن کو (روزے کے سبب) پیاسا رہتا ہوں گویا میں اپنے رب کے عرش کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں اور مجھے ایسے لگتا ہے جیسے جنتی ایک دوسرے کی زیارت کرتے جا رہے ہیں اور دوزخیوں کو (اس حالت میں) دیکھتا ہوں کہ وہ ایک دوسرے پر گر رہے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے حارث تم عارف ہو گئے، پس اس (کیفیت و حال) کو تھامے رکھو اور یہ (جملہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا۔‘‘(۱)

سوال نمبر 4: قرآن حکیم میں لفظ ’’ایمان‘‘ کتنی بار آیا ہے؟

جواب: قرآن حکیم میں ’’ایمان‘‘ کا لفظ کم و بیش پینتالیس (۴۵) بار آیا ہے۔

سوال نمبر 5: ایمان کا موضوع کیا ہے؟

جواب: ایمان کا موضوع عقائد ہیں۔

سوال نمبر 6: عقیدہ کسے کہتے ہیں؟

(۱) ابن ابی شیبہ، المصنف، ۶: ۱۷۰، رقم: ۳۰۴۲۵

جواب: عقیدہ 'عقد' سے ہے جس کے معنی گرہ باندھنے کے ہیں۔(۱)
اس سے مراد کسی شے کی ایسی تصدیق ہے جس میں کوئی شک نہ ہو۔ عقیدہ کو ایمان کے مفہوم میں بھی لیا جاتا ہے، اس سے مراد ان حقائق کی بلا شک و شبہ تصدیق کرنا ہے جن کی تعلیم اللہ رب العزت نے بواسطۂ رسالت ہمیں عطا فرمائی۔

سوال نمبر 7: ایمان اور عقیدہ میں کیا فرق ہے؟

جواب: عقیدہ سے مراد کسی چیز کو حق اور سچ جان کر دل میں مضبوط اور راسخ کر لینا ہے جبکہ ایمان دین اسلام کی سب سے پہلی تعلیم ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ماننے اور انہیں سچا جان کر ان پر یقین کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔ مسلمان کا دینِ اسلام کی تعلیمات کو سچا جاننا اور دل سے ان کی تصدیق کرنا ایمان ہے اور یہی اگر راسخ ہو جائے تو اس کا عقیدہ ہے کیونکہ

''ایمان نمو پاتا ہے تو عقیدہ بنتا ہے''

سوال نمبر 8: عقائد سے تعلق رکھنے والے علم کو کیا کہتے ہیں؟

جواب: وہ علم جس میں عقائد سے متعلق بحث کی جائے اسے علم الکلام اور علم العقائد کہتے ہیں۔

سوال نمبر 9: کیا محض علم آ جانے سے ایمان کی کیفیت نصیب ہوتی ہے؟

جواب: نہیں، کسی چیز کا محض علم آ جانے سے ایمان حاصل نہیں ہوتا، اگر ایمان علم ہی سے حاصل ہوتا تو کوئی ان پڑھ مومن نہ ہوتا اور نہ کوئی علم والا کافر

---

(۱) ڈاکٹر ابراہیم انیس، المعجم الوسیط، ۲: ۶۱۴

ہوتا جیسا کہ ابو جہل اور اس کے ساتھی کہا کرتے تھے:

مِنَّا نَبِيٌّ يَأْتِيْهِ الْوَحْيُ مِنَ السَّمَاءِ فَمَتَى نَدْرُكُ هَذِهِ؟ وَاللهِ لَا نُؤْمِنُ بِهِ اَبَداً وَلَا نُصَدِّقُهُ.(۱)

''(ہم مانتے ہیں کہ محمد) ہم میں سے ہی نبی ہیں اور اس کی طرف آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے، پس ہم اس چیز کا انکار نہیں کرتے (مگر) اللہ کی قسم ہم اس پر کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ہی اس کی تصدیق کریں گے۔''

پس واضح ہوا کہ علم اور ایمان دو الگ حقیقتیں ہیں، کبھی علم کے باوجود ایمان نہیں ہوتا اور کبھی علم کے بغیر بھی ایمان ہوتا ہے۔ ایمان کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ.(۲)

''جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔''

اس سے ثابت ہوا کہ ایمان بن دیکھے ماننے کا نام ہے جبکہ علم دیکھ کر ماننے کا نام ہے۔

سوال نمبر 10: ایمان کی صفات کون کون سی ہیں؟

جواب: ائمہ و محدثین نے ایمان اور ایمانیات کو قرآن و حدیث سے اخذ کر کے اس کی تعلیم کو آسان اور سادہ طریقے سے سمجھانے کے لئے نہایت خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔ علمائے اسلام نے ایمان کی صفات کو دو

---

(۱) ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ۲: ۱۳۱

(۲) البقرہ، ۲: ۳

طرح سے بیان کیا ہے:

۱۔ ایمانِ مُجمَل ۲۔ ایمانِ مُفَصَّل

اِیمانِ مُجمَل میں ایمانیات کو نہایت مختصر مگر جامع طریقے سے بیان کیا گیا ہے کیونکہ **مُجمَل** کا معنی ہی ''خلاصہ'' ہے۔ اس میں اللہ پر ایمان لانے کا ذکر اس طرح ہوا ہے کہ بغیر اعلان کیے جملہ ایمانیات اس میں در آئیں، جبکہ **ایمانِ مُفَصَّل** میں قرآن و حدیث کی روشنی میں ثابت شدہ ایمانیات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

سوال نمبر 11: ایمانِ مُجمَل کیا ہے؟

جواب: ایمانِ مُجمَل یہ ہے:

اٰمَنْتُ بِاللهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَ صِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ، اِقْرَارٌۢ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِيْقٌۢ بِالْقَلْبِ.

''میں اللہ پر اس کے تمام اسماء و صفات کے ساتھ ایمان لایا، اور میں نے اس کے تمام احکام قبول کیے اور اس کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کی۔''

سوال نمبر 12: ایمانِ مُفَصَّل کسے کہتے ہیں؟

جواب: ایمانِ مُفَصَّل یہ ہے:

اٰمَنْتُ بِاللهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ مِنَ اللهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ.

''میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں

پر اور اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور اچھی اور بری تقدیر کے اللہ کی طرف سے ہونے پر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر۔‘‘

سوال نمبر 13: انسان کو کن چیزوں پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے؟

جواب: ایمان کے بنیادی ارکان کی وضاحت درج ذیل آیات سے ہوتی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا○(۱)

’’اے ایمان والو! تم اللہ پر اس کے رسول (ﷺ) پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول (ﷺ) پر نازل فرمائی ہے اور اس کتاب پر جو اس نے (اس سے) پہلے اتاری تھی ایمان لاؤ، اور جو کوئی اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا انکار کرے تو بیشک وہ دور دراز کی گمراہی میں بھٹک گیا○‘‘

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ قف.(۲)

’’وہ رسول اس پر ایمان لائے (یعنی اس کی تصدیق کی) جو کچھ ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا اور اہل ایمان بھی، سب ہی

(۱) النساء، ۴: ۱۳۶

(۲) البقرہ، ۲: ۲۸۵

(دل سے) اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔‘‘

علاوہ ازیں متفق علیہ حدیث میں جو ’’حدیث جبریل‘‘ کے نام سے مشہور ہے، سرور کائنات ﷺ نے درج ذیل امور پر ایمان لانے کو ضروری قرار دیا ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا (۲) فرشتوں پر ایمان لانا

(۳) کتابوں پر ایمان لانا (۴) رسولوں پر ایمان لانا

(۵) یومِ آخرت پر ایمان لانا

(۶) تقدیر کے اچھا یا برا ہونے پر ایمان لانا۔[۱]

سوال نمبر 14: ایمان باللہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے واحد و یکتا ہونے، اس کے حقیقی خالق و مالک ہونے، اس کے حقیقی پروردگار اور حاجت روا ہونے کا زبان سے اقرار اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے تصدیق کی جائے تو اس اقرار و تصدیق کے مجموعے کا نام ایمان باللہ ہے۔

سوال نمبر 15: اللہ تعالیٰ کی صفات کون سی ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات ہیں جن کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے، اسی طرح اس کی صفات کی بھی کوئی حد اور انتہا نہیں۔ اس کی صفات اور کمالات نہ تو ہمارے شمار میں آ سکتے ہیں اور نہ ہی وہ صفات ہوسکتی ہیں جن کو ہم بیان کر سکیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الایمان، باب سوال جبرئیل، ۱: ۲۷، رقم: ۵۰

ذات پاک بے حد اور بے پایاں ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی صفات جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے اجمالاً درج ذیل ہیں:

۱۔ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًاO(۱)

''وہ ان (سب چیزوں) کو جانتا ہے جو ان کے آگے ہیں اور جو ان کے پیچھے ہیں اور وہ (اپنے) علم سے اس (کے علم) کا احاطہ نہیں کر سکتے۔''

۲۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ج وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُO(۲)

''اس جیسا کوئی نہیں اور وہی سنتا دیکھتا ہے۔''

۳۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُO(۳)

''نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ سب نگاہوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور وہ بڑا بار یک بین اور بڑا باخبر ہے۔''

۴۔ اس کی ابتداء ہے نہ انتہاء، وہی اول اور وہی آخر ہے، وہی ظاہر اور وہی باطن ہے۔

۵۔ اس کے سوا جو کچھ موجود ہے سب اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور وہی ہر ذی روح کو موت دے کر پھر دوبارہ قیامت میں زندہ کرنے والا ہے۔

۶۔ وہ کسی کا محتاج نہیں، ساری دنیا اس کی محتاج ہے۔

---

(۱) طہ، ۲۰: ۱۱۰

(۲) الشوریٰ، ۴۲: ۱۱

(۳) الانعام، ۶: ۱۰۳

۷۔ وہ جسم اور صفات جسم یعنی کھانے، پینے اور سونے وغیرہ سے پاک ہے۔

۸۔ ہر چیز پر اس کی قدرت ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

۹۔ وہی جلاتا ہے، وہی مارتا ہے، وہی بیمار کرتا ہے اور وہی شفا دیتا ہے۔

۱۰۔ وہی عزت و ذلت دیتا ہے، وہی نفع و نقصان پہنچاتا اور رزق دیتا ہے۔

۱۱۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

۱۲۔ وہ سب کا مالک ونگہبان اور سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔

۱۳۔ پرستش وعبادت کی مستحق صرف اسی کی ذات ہے۔

سوال نمبر 16: کیا اللہ تعالیٰ کی صفات کسی مخلوق میں پائی جا سکتی ہیں؟

جواب: جی ہاں ! اللہ تعالیٰ کی کچھ صفات جو صفات عامہ کہلاتی ہیں مخلوق میں پائی جاتی ہیں، جب ان کا ذکر اللہ تعالیٰ کے لئے ہو گا تو وہ حقیقی معنی میں استعمال ہوں گی اور شان خالقیت واُلوہیت کے مطابق ہوں گی اور جب مخلوق کے لئے ہوگا تو ان کا استعمال مجازی اور عطائی معنی میں ہو گا کیونکہ مخلوق میں جو صفات پائی جاتی ہیں وہ اللہ کی صفات سے اصلاً مشابہ نہیں ہوتیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہوتی ہیں۔ یہ صفات مخلوق کو اس لیے عطا کی گئی ہیں کہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ صفات کو جہاں ممکن ہو معلوم کرنے میں مدد مل سکے گویا یہ صفات الٰہیہ کی معرفت کا ذریعہ اور واسطہ بنتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وہ صفات جو مخلوق میں پائی جاتی ہیں وہ اس طرح کی ہیں:

صفاتِ حقیقی بمعنی صفات ذاتی

۱. اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُO[۱]

''بیشک وہی خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔''

۲. اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌO[۳]

''بیشک اللہ لوگوں پر بڑی شفقت فرمانے والا مہربان ہے۔''

صفات مجازی بمعنی صفات عطائی

فَجَعَلْنٰہُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا O[۲]

''پھر ہم اس کو سننے والا اور دیکھنے والا (انسان) بنا دیتے ہیں۔''

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌO[۴]

''بیشک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول تشریف لائے، تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لیے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لئے نہایت (ہی)

---

(۱) الإسراء، ۱:۱۷

(۲) الدھر، ۲:۷۶

(۳) البقرۃ، ۱۴۳:۲

(۴) التوبۃ، ۱۲۸:۹

شفیق، بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔''

۳. اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌO(۱)

''بیشک اللہ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔''

۳. وَ یَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا ط(۲)

''اور (ہمارا یہ برگزیدہ) رسول تم پر گواہ ہو۔''

٤. کَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًاO(۳)

''اور اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے (بلاواسطہ) گفتگو (بھی) فرمائی۔''

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اللہ سے کلام کیا۔

٥. أَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًاO(۴)

''کیا یہ ان (کافروں) کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں؟ پس عزت تو ساری اللہ کے لئے ہے۔''

٥. وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ...O(۵)

''عزت اللہ کیلئے، اس کے رسول کے لئے اور مومنین کے لئے ہے۔''

---

(۱) الحج، ۲۲:۱۷

(۲) البقرة، ۲:۱۴۳

(۳) النساء، ۴:۱۶۴

(۴) النساء، ۴:۱۳۹

(۵) المنافقون، ۶۳:۸

٦. اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا لا .(۱)

''ساری قوتوں کا مالک اللہ ہے۔''

٦۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے استفسار پر آپ کے درباریوں نے یہ جواب دیا:

نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْ بَأْسٍ شَدِيْدٍ لا .(۲)

''ہم طاقتور اور سخت جنگجو ہیں۔''

٧. بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط .(۳)

''ساری بھلائی تیرے ہی دستِ قدرت میں ہے۔''

٧. وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ط .(۴)

''جسے (حکمت و) دانائی عطا کی گئی اسے بہت بڑی بھلائی نصیب ہو گئی۔''

٨. اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط(۵)

''خبردار ہر چیز کی تخلیق اور حکم و تدبیر کا نظام چلانا اسی کا کام ہے۔''

٨۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے:

اَنِّيْ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ ...(٦)

---

(۱) البقرة، ۲: ۱۶۵

(۲) النمل، ۲۷: ۳۳

(۳) آل عمران، ۳: ۲٦

(۴) البقرة، ۲: ۲٦۹

(۵) الاعراف، ۷: ۵۴

(٦) آل عمران، ۳: ۴۹

’’میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے
کی شکل جیسا (ای پتلا) بناتا ہوں۔‘‘

سوال نمبر 17: وہ کون سی صفات ہیں جو صرف اللہ کے لئے مخصوص ہیں؟

جواب: وہ صفات جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

۱۔ عبادت کے لائق اور مستحق فقط اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے، اس لیے عبادت میں کسی کو اس کا شری نہ ٹھہرایا جائے۔

۲۔ حقیقی عالم الغیب محض اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

۳۔ وہ تصرفات جو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں، مثلاً اس کا خالق حقیقی ہونا، قادر مطلق ہونا، اپنے وجود کے استعمال میں کسی کا محتاج نہ ہونا وغیرہ؛ ان صفات وتصرفات کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرنا ضروری ہے۔

۴۔ دعا قبول کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، اس لیے اللہ ہی کو دعا قبول کرنے والا مانا جائے۔

۵۔ ایسے افعال جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں، مثلاً عدم سے کائنات کو وجود میں لانے والا، زندگی اور موت کا مالک، اسی کا عبادت کے لائق ہونا، ای ہی توجہ سے ساری کائنات کو نیست و نابود کر دینا، دوزخ و جنت کو قائم کرنا۔ فرشتوں کو پیدا کرنا، انبیاء کو نبوت و رسالت عطا کرنا، وحی بھیجنا، دن اور رات کا بدلنا، سمندروں میں کشتیاں بحفاظت چلانا، بادلوں اور ہواؤں کو چلانا وغیرہ مانا جائے۔

ان افعال و صفات میں صرف اللہ خود مختار ہے، کسی غیر اللہ کو اختیار نہیں دیا گیا۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کے خاص صفاتی نام ہیں، اللہ کو صرف انہی اسماء سے پکارا جائے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔ اس کے سوا کسی اور کو ان اسماء سے پکارنا خلاف شرع ہے۔

۷۔ وہ قادر مطلق ہر چیز کو نیست سے ہست اور ہست سے نیست کر سکتا ہے۔

یہ تمام ایسی صفات ہیں جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں۔

سوال نمبر 18: صفات ذاتی اور صفات عطائی میں کیا فرق ہے؟

جواب: صفات ذاتی سے مراد وہ صفات ہیں جو غیر کی عطا نہ ہوں اور نہ کوئی غیر اس میں کسی طرح سبب بنے۔ صفات ذاتی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں۔ اللہ کے سوا کسی اور میں یہ صفات نہیں پائی جاتیں جبکہ صفاتِ عطائی کے ہونے میں کسی اور کا دخل ہوتا ہے یہ صفات اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں پائی جاتی ہیں۔ انبیاء کرام کی صفات بھی عطائی ہیں، انہیں یہ صفات بارگاہِ خداوندی سے عطا کی گئی ہیں لہٰذا صفات ذاتی اور صفات عطائی میں فرق یہ ہوا کہ صفات ذاتی صرف اللہ کے ساتھ خاص ہیں اور صفات عطائی مخلوق کے لئے خاص ہیں۔ صفات ذاتی کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے ثابت کرنا کفر ہے۔ اسی طرح صفات عطائی کو مخلوق کی بجائے اللہ کے لئے ثابت کرنا کفر ہے۔

سوال نمبر 19: ایمان بالرُّسل سے کیا مراد ہے؟

جواب: رُسُل رسول کی جمع ہے جس کا معنی ہے: پیغام بر یعنی پیغام پہنچانے والا۔ ایمان بالرُّسل سے مراد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء سرور

کائنات ﷺ کی ذات اقدس۔ تمام انبیاء و رسل کی نبوت اور رسالت کو برحق ماننا ہے کیونکہ ہر نبی اور رسول اپنی اپنی جگہ اللہ کا بھیجا ہوا حق وصداقت کا کامل و اکمل نمونہ رہا ہے اور ان سب نے ای ہی مشن اور مقصد کی تکمیل کے لئے ای ہی لائحہ عمل کے تحت کام کیا ہے۔

تمام انبیاء کرام اور رُسُل عظام معصوم ہوتے ہیں یعنی ہر قسم کے کبیرہ اور صغیرہ گناہ سے پاک ہوتے ہیں، ہر نبی اور رسول اپنی اپنی امت سے ہر لحاظ سے بلند مرتبے والا ہوتا ہے اور ہمارے رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تمام انبیاء کرام اور جمیع مخلوقات سے افضل ہیں۔

سوال نمبر 20: نبی اور رسول کسے کہتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ہدایت اور رہنمائی دینے کے لئے جن برگزیدہ بندوں کے ذریعے اپنا پیغام حق مخلوق۔ پہنچایا انہیں نبی اور رسول کہتے ہیں۔

عام طور پر نبی اور رسول یہ دونوں لفظ ای ہی معنی میں بولے اور سمجھے جاتے ہیں، البتہ نبی اس ہستی کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے وحی دے کر بھیجا ہو اور رسول اس ہستی کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نئی شریعت دے کر مخلوق میں مبعوث کرتا رہا تاکہ وہ لوگوں کو اس کی طرف بلائے۔(۱)

سوال نمبر 21: سابقہ انبیاء کی رسالت اور رسالت محمدی ﷺ میں

(۱) ۱۔ قسطلانی، المواہب اللدنیۃ، ۲: ۴۷

۲۔ زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ۴: ۲۸۶

کیا فرق ہے؟

جواب: سابقہ انبیاء کی رسالت مخصوص قوموں، علاقوں کے لئے اور ان کے حالات کے تقاضوں کے مطابق تھی جبکہ نبوت و رسالتِ محمدی قیامت تک کی ساری مخلوق کے لئے ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًاﮑ(۱)

’’آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول (بن کر آیا) ہوں۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

’’مجھ سے پہلے ہر نبی خاص طور پر اپنی ہی قوم کی طرف بھیجا گیا لیکن میں تمام انسانوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔‘‘(۲)

اس امر کی مزید وضاحت اس حدیث مبارکہ سے ہو جاتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تخلیق آدم سے پہلے ہی خاتم النبیین کے وصف سے متصف تھا۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنِّی عِنْدَ اللّٰهِ فِیْ أُمِّ الْكِتَابِ لَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ، وَإِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِيْنَتِهٖ.(۳)

---

(۱) اعراف، ۷: ۱۵۸

(۲) صحیح بخاری، ۱: ۱۲۸، رقم: ۳۲۸

(۳) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۸

۲۔ حاکم المستدرک، ۲: ۶۵۶، رقم: ۴۱۷۵

’’میں اللہ تعالیٰ کے ہاں (اس وقت بھی) ام الکتاب میں خاتم النبیین تھا جب آدم ابھی خمیر سے پہلے مٹی میں تھے۔‘‘

پس واضح ہو گیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو نہ صرف سب سے پہلے منصب نبوت سے سرفراز فرمایا گیا بلکہ آپ ﷺ کو اس وقت خاتم النبیین بنایا گیا جب حضرت آدم علیہ السلام کا پیکر خاکی بھی تیار نہ ہوا تھا۔

تمام انبیاء کرام اور رُسلِ عظام معصوم ہوتے ہیں یعنی ہر قسم کے کبیرہ اور صغیرہ گناہ سے پاک ہوتے ہیں۔ ہر نبی اور رسول اپنی اپنی امت سے ہر لحاظ سے بلند مرتبے والا ہوتا ہے اور ہمارے رسول اکرم حضرت محمد ﷺ تمام انبیاء کرام اور جمیع مخلوقات سے افضل ترین ہیں۔

سوال نمبر 22: حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ کے بعد کسی اور کو نبی ماننے والے کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب: حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے بعد ہوئی۔ نبوت و رسالت آپ ﷺ پر ختم ہوگئی اور سلسلہ نبوت و وحی آپ ﷺ کی ذات مبارکہ کے بعد منقطع ہو گیا۔ اب قیامت تک تمام انسانیت آپ ﷺ کے چشمہ نبوت سے فیض یاب ہوتی رہے گی اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۝(۱)

(۱) الاحزاب، ۳۳: ۴۰

’’محمد (ﷺ) تمہارے آدمیوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔‘‘

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر تمام محدثین مجتہدین، آئمہ دین و مفسرین نے خاتم النبیین سے مراد آخری نبی کے معنی بیان کیے ہیں اور اسی معنی کو حضور نبی اکرم ﷺ نے خود بیان فرمایا ہے:

اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ.(۱)

’’میں ہی آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔‘‘

لہٰذا حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ کے بعد کوئی شخص کسی کو نبی مانے یا یہ عقیدہ رکھے کہ آپ کے بعد کوئی نبی آئے گا وہ کافر ہے۔

سوال نمبر 23: خاتم النبیّین سے کیا مراد ہے؟

جواب: خاتم النبیّین کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ پر سلسلہ نبوت ختم کر دیا۔ آپ ﷺ کے زمانہ میں یا بعد میں کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ.(۲)

’’میں خاتم النبیّین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔‘‘

پس سلسلہ نبوت حضور نبی اکرم ﷺ پر ختم ہو چکا ہے اس لیے جو شخص حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں یا آپ ﷺ کے بعد کسی کو نبی مانے یا جائز جانے یا نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے۔

---

(۱) ترمذی، ۴: ۳۹۹، رقم: ۲۲۱۹

(۲) ترمذی، ۴: ۳۹۹، رقم: ۲۲۱۹

سوال نمبر 24: ایمان بالآخرت سے کیا مراد ہے؟

جواب: ہر شخص کو موت کے بعد قیامت کے دن زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے اعمال کا حساب دینا ہے جس کے نتیجے میں وہ جہنم یا جنت (کی صورت میں سزا و جزا) سے ہمکنار ہو گا۔ اس زندگی کا نام اخروی زندگی ہے اوراس زندگی پر ایمان لانے کا نام ایمان بالآخرت ہے اور آخرت کا منکر کافر ہوتا ہے۔

سوال نمبر 25: برزخ کسے کہتے ہیں؟

جواب: برزخ دو چیزوں کے درمیان روک اور آڑ کو کہتے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد موت سے قیامت تک کا درمیانی عرصہ ہے۔ مرنے کے بعد تمام جن و انس حسب مراتب برزخ میں رہیں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

حَتّٰیٓ اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِO لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا ط اِنَّهَا کَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ط وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَO(۱)

’’یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آ جائے گی (تو) وہ کہے گا اے میرے رب! مجھے (دنیا میں) واپس بھیج دے۔ تاکہ میں اس (دنیا) میں کچھ نیک عمل کرلوں جسے میں چھوڑ آیا ہوں ہرگز نہیں، یہ وہ بات ہے جسے وہ (بطور حسرت) کہہ رہا ہو گا اور ان کے آگے ایک دن تک ایک پردہ (حائل) ہے (جس دن) وہ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گےO‘‘

عالم برزخ کا کچھ تعلق دنیا کے ساتھ ہوتا ہے اور کچھ آخرت کے ساتھ۔ دنیا کے ساتھ تعلق اس طرح ہے جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عزیز

(۱) المومنون، ۲۳:۹۸۔۱۰۰

و اقارب میت کے ثواب کیلئے صدقہ و خیرات اور ذکر و اذکار کرتے ہیں۔ اس سے میت کو ثواب پہنچتا ہے اور راحت و آرام ملتا ہے۔ آخرت کے ساتھ تعلق اس طرح ہے کہ جو عذاب یا آرام برزخ میں شروع ہوتا ہے۔ وہ آخرت میں ملنے والے عذاب یا آرام کا ہی حصہ ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ۚ (۱)

’’(اور عالم برزخ میں بھی) ان لوگوں کو دوزخ کی آگ کے سامنے صبح و شام لایا جاتا ہے۔‘‘

سوال نمبر 26: قیامت کسے کہتے ہیں؟

جواب: جس دن اللہ تعالیٰ تمام مردوں کو زندہ کرے گا اور ان سے ان کے تمام نیک و بد اعمال کا حساب لے گا، اس دن کا نام قیامت ہے۔

سوال نمبر 27: علامات قیامت سے کیا مراد ہے؟

جواب: علامت قیامت سے مراد قیامت کی نشانیاں ہیں جن کا ظہور قیامت سے قبل ہوگا، مثلاً امام مہدی کا ظہور، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا، یاجوج ماجوج کا نکلنا اور اللہ کے غضب سے ہلاک ہو جانا، سورج کا مغرب سے نکلنا، آگ کا ظاہر ہونا وغیرہ یہ سب علامات قیامت ہیں۔ اس طرح جب قیامت کی تمام نشانیاں ظاہر ہوں گی پھر حکم الٰہی سے حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے جس سے سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا دوبارہ صور پھونکا جائے گا، جس سے تمام مردے زندہ ہو جائیں گے۔

سوال نمبر 28: جنت کسے کہتے ہیں؟

---

(۱) غافر، ۴۰: ۴۶

جواب: جنت عیش و آرام کی ایسی جگہ کا نام ہے جو ایمان والوں کو ان کے ایمان اور عمل کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوگی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی چیز تیار کر رکھی ہے کہ جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ اس کی خوبیوں کو کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کی ماہیت کا خیال گزرا۔ اس کی دیوار سونے چاندی کی اینٹوں اور مشک کے گارے سے بنی ہے۔ اس کی ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی ہے، زمین زعفران کی کنکریوں کی جگہ موتی اور یاقوت سے بنی ہے۔''(۱)

جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:

كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَ الْمَرْجَانُ. (۲)

''گویا وہ یاقوت اور مونگا ہیں۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

وَ زَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ. (۳)

''اور پھیلی ہوئی چاندیاں ہیں۔''

جنت میں سو درجے ہیں، ہر درجے کی چوڑائی اتنی ہے جتنی زمین سے آسمان تک اور دروازے اتنے چوڑے ہیں کہ ایک بازو سے دوسرے بازو تک

---

(۱) بخاری، الصحیح، ۳: ۱۱۸۵، کتاب بدء الخلق، رقم: ۳۰۷۲

(۲) الرحمٰن، ۵۵: ۵۸

(۳) الغاشیۃ، ۸۸: ۱۶

تیز گھوڑا ستر برس میں پہنچے۔ جنت میں ایسی نعمتیں ہوں گی جو کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں آتیں۔ طرح طرح کے پھل، میوے، دودھ، شہد، شراب، اچھے کھانے جنتیوں کو دیئے جائیں گے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌO(۱)

''ان میں میوے اور کھجوریں اور انار ہیں۔''

جنتی خوبصورت لباس میں ملبوس ہوں گے جو دنیا میں کسی کو نصیب نہ ہوئے ہوں گے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍO(۲)

''تکیہ لگائے ہوئے (ہیں) سبز بچھونوں اور منقّش خوبصورت چاندیوں پر۔''

جنت اور اہل جنت کبھی فنا نہ ہوں گے۔

اس میں جنتیوں کو کسی قسم کی تکلیف یا غم نہ ہو گا بلکہ وہ ہمیشہ راحت و آرام میں رہیں گے۔

حضرت ابو سعیدؓ اور ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''پکارنے والا پکار کر کہے گا (اے جنت والو!) تم تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ ہو گے، تم زندہ رہو گے کبھی نہ مرو گے، تم جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے اور تم آرام سے رہو گے کبھی محنت و مشقت نہ اٹھاؤ گے۔''(۳)

جنت میں سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے جو جنتیوں کو

---

(۱) الرحمٰن، ۵۵: ۶۸

(۲) الرحمٰن، ۵۵: ۷۶

(۳) مسلم، الصحیح، ۴: ۲۱۸۲، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، رقم: ۲۸۳۷

نصیب ہوگا جس کے مقابلے میں ساری نعمتیں ہیچ ہوں گی۔ اس سلسلے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑے مرتبے کا جنتی وہ شخص ہوگا جو صبح و شام دیدار الٰہی سے مشرف ہوگا۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ O(۱)

''یعنی اس روز بہت سے چہرے اپنے پروردگار کے دیدار سے تروتازہ اور خوش و خرم ہوں گے۔''(۲)

سوال نمبر 29: دوزخ کسے کہتے ہیں؟

جواب: دوزخ ایسی جگہ کا نام ہے جو بدکاروں اور کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے اور انہیں روز محشر ہونے والے حساب کے بعد اس میں پھینک دیا جائے گا۔ کافر اس میں ہمیشہ قید رکھے جائیں گے۔ اس میں تیز بھڑکتی ہوئی آگ ہے اور روشنی کا نام تک نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَ اَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًاO خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًاۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًاO(۳)

''بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لئے (دوزخ کی) دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہےo جس میں وہ ہمیشہ رہا کریں

---

(۱) القیامۃ، ۷۵: ۲۳

(۲) ترمذی، السنن، ۸: ۶۸۸، کتاب صفۃ الجنۃ، رقم: ۲۵۵۳۔

(۳) الأحزاب، ۳۳: ۶۴، ۶۵

گے (اور وہاں) نہ کوئی اپنا دوست پائیں گے نہ مددگار (کہ ان کو عذاب سے بچا سکے)o‘‘

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًاO(۱)

’’اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے تو بیشک ان کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ رہیں گے۔‘‘

سوال نمبر 30: ایمان بالکتب سے کیا مراد ہے؟

جواب: حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت تک جتنے بھی انبیاء کرام مبعوث ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض پر کتابیں اور بعض پر صحائف اتارے، ان تمام صحیفوں اور کتابوں (یعنی ان کے منزل من اللہ ہونے) پر ایمان لانا ایمان بالکتب ہے۔

سوال نمبر 31: اللہ تعالیٰ کی مشہور آسمانی کتابیں کون سی ہیں اور وہ کن پیغمبروں پر نازل ہوئیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے گزشتہ زمانے میں مختلف قوموں کی ہدایت کے لئے صحیفے اور کتابیں نازل کی ہیں، ان میں سے چار مشہور کتابیں یہ ہیں جو اللہ نے اپنے پیغمبروں پر نازل فرمائیں۔

تو ریت: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی۔

زبور: حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کی گئی۔

---

(۱) الجن، ۷۲: ۲۳

انجیل: حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی۔

قرآن حکیم: اللہ تعالیٰ کی آخری اور افضل و اکمل کتاب ہے جو اللہ نے اپنے پیارے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی۔

سوال نمبر 32: کیا سابقہ آسمانی کتابیں اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں؟

جواب: جی نہیں! آج روئے زمین پر قرآن حکیم کے علاوہ دوسری آسمانی کتابیں، تورات، انجیل، زبور وغیرہ میں سے کوئی بھی اصلی حالت میں موجود نہیں۔ پہلی قوموں کے لوگوں نے اپنی مرضی کے مطابق ان کتابوں کے احکامات میں تبدیلی کر دی، لیکن قرآن حکیم ای ایسی بے مثل کتاب ہے جو آج بھی اپنی اصلی حالت میں موجود ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ O(۱)

’’بے شک اس ذکر (قرآن) کو ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔‘‘

تو قرآن حکیم ہی وہ کتاب ہے جو قیامت ت بنی نوع انسانی کے لئے کامل ہدایت اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔

سوال نمبر 33: قرآن حکیم نازل ہو جانے کے بعد سابقہ کتابوں کا کیا حکم ہے؟

جواب: قرآن حکیم کے نزول کے بعد سابقہ کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے لیکن ان کے احکامات پر عمل کرنے کا حکم باقی نہیں رہا کیونکہ قرآن حکیم سے پہلے کوئی بھی آسمانی کتاب عالمگیر اور آفاقی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی، تمام سابقہ

(۱) الحجر، ۱۵:۹

کتب ای خاص قوم کی رہنمائی کے لئے آئی تھیں۔ نزول قرآن سے پہلے تمام مذاہب اختلافات کا شکار تھے اس وجہ سے ہر مذہب اپنے ہی عقیدے کو صحیح سمجھتے تھے، لہٰذا اس وقت کا تقاضا یہ تھا کہ کوئی ایسی کتاب نوع انسانی کی ہدایت کے لئے نازل ہو جو تمام بنی نوع انسان کو متحد کر کے ای پلیٹ فارم پر جمع کرے۔ اس لیے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ○(۱)

''یہ کتاب تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔''

لہٰذا قرآن حکیم قیامت تک آنے والے سب انسانوں کے لئے ہدایت و رہنمائی کی بے نظیر کتاب بن کر آئی۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ تمام آسمانی کتب میں توحید کا ذکر قدر مشترک تھا۔

سوال نمبر 34: ایمان بالملائکہ کا مفہوم کیا ہے؟

جواب: ملائکہ ''مَلَك'' سے مشتق ہے، اس کی جمع ملائکہ اور ملاء ہے، اس کے لغوی اور لفظی معانی مالک ہونا، فرشتہ، ملکیت اور اقتدار ہیں، اس کے علاوہ اس میں تصرف، قدرت اور امر کا معنی بھی پایا جاتا ہے۔ لفظ ملائکہ آسمانی ارواح کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔(۲)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی امر یا کام ان کے سپرد کیا جاتا ہے، اس وجہ سے ان کو ملائکہ کہتے ہیں۔

(۱) یوسف، ۱۲:۱۰۴

(۲) راغب اصفہانی، المفردات: ۴۷۲، ۴۷۳

فرشتے اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے مقبول بندوں تک پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ وہ لطیف اور نورانی مخلوق ہیں اور عام انسان انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ بعض کم فہم لوگ فرشتوں کے خارجی وجود کا انکار کرتے ہیں اور ان قرآنی آیات کی تلاوت جن میں فرشتوں کا ذکر ہے مجرد قوتوں کے طور پر کرتے ہیں۔ یہ سب تصورات گمراہی پر مبنی ہیں۔ فرشتے احکام الٰہی کی تعمیل کرنے والی معزز مخلوق ہے۔ ان کے وجود اور ان سے متعلقہ تفصیلات کو ماننا ایمان بالملائکہ کہلاتا ہے۔

سوال نمبر 35: فرشتے کون ہیں اور کس چیز سے پیدا کئے گئے ہیں؟

جواب: فرشتے اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق ہیں، لہٰذا ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا غلط ہے کہ وہ انسانی روحیں یا صفاتِ الٰہیہ ہیں یا نیکی اور بدی کی طاقتیں ہیں۔

ملائکہ کی حقیقت کے بارے میں کئی اقوال ہیں جن میں سے متفقہ اقوال یہ ہیں:

فَذَهَبَ أَكْثَرُ الْمُسْلِمِيْنَ إِلٰى أَنَّهَا أَجْسَامٌ لَطِيْفَةٌ، قَادِرَةٌ عَلَى التَّشَكُّلِ بِأَشْكَالٍ مُخْتَلِفَةٍ.(۱)

’’پس جمہور مسلمانوں کے مطابق ملائکہ وہ لطیف نورانی اجسام ہیں جنہیں (اپنی لطافت و نورانیت کے باعث) مختلف شکلیں بدلنے پر قدرت حاصل ہوتی ہے۔‘‘

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) بیضاوی، التفسیر، ۱: ۸۰، ۸۱

خُلِقَتِ الْمَلَائِكَۃُ مِنْ نُوْرٍ، وَ خُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَارِجٍ مِّنْ نَّارٍ، وَ خُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَکُمْ.(۱)

''فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا، جنات کو شعلہ زن آگ سے پیدا کیا گیا اور آدم کو اس شے سے پیدا کیا گیا ہے جس کی صفت اللہ تعالیٰ نے تمہیں بیان فرمائی ہے (یعنی خاک سے)۔''

سوال نمبر 36: فرشتوں کے ذمہ کونسے کام ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی سرشت میں کامل اطاعت کا پہلو رکھا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کائنات کے مختلف امور سرانجام دیتے ہیں اور از خود کوئی قدرت نہیں رکھتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یَخَافُوْنَ رَبَّھُمْ مِّنْ فَوْقِھِمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَO(۲)

''وہ اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے رہتے ہیں اور جو حکم انہیں دیا جاتا ہے (اسے) بجا لاتے ہیںo''

حضرت ابن سابط رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب ''اُمّ الکتاب'' میں موجود ہے۔ تین فرشتوں کو مقرر کیا گیا ہے کہ وہ اس کی نگرانی کریں، پس حضرت جبرائیل علیہ السلام کو کتاب سپرد کی گئی ہے کہ وہ اسے رسولوں تک لے جائیں اور ان کو خدا کے عذاب کے معاملات بھی سپرد کیے گئے ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی ہلاکت کا ارادہ کرتے ہیں تو حضرت

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۲۲۹۴، رقم: ۲۹۹۶

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۵۳، ۱۶۸

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۴: ۲۵، رقم: ۶۱۵۵

(۲) النحل، ۱۶: ۵۰

جبرائیل علیہ السلام کو (اپنے دشمنوں کے خلاف) جنگ میں مدد پر مقرر کر دیتے ہیں اور حفاظت، بارش اور زمین کے نباتات حضرت میکائیل کے سپرد ہیں۔ ملک الموت کے سپرد ارواح قبض کرنا ہے، پس جب دنیا ختم ہو گی تو لوگوں کے اعمال ناموں کو جمع کیا جائے گا اور ''اُمّ الکتاب'' کے ساتھ تقابل کیا جائے گا تو یہ مدبرین دنیا ان اعمال ناموں کو ام الکتاب کے موافق پائیں گے۔(۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ طَرْفَ صَاحِبِ الصُّورِ مُذْ وُكِّلَ بِهِ مُسْتَعِدٌّ يَنْظُرُنَحْوَ الْعَرْشِ مَخَافَةَ أَنْ يُؤْمَرَ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَ إِلَيْهِ طَرْفُهُ كَأَنَّ عَيْنَيْهِ كَوْكَبَانِ دُرِّيَّانِ.(۲)

''بلاشبہ حضرت اسرافیل جب سے صور پھونکنے پر مقرر ہوئے ہیں تب سے تیار ہیں۔ عرش کے اردگرد اس خوف سے نظر کر رہے ہیں کہ انہیں نظر جھپکنے سے قبل حکم نہ دے دیا جائے، اس کی دونوں آنکھیں گویا کہ چمکدار ستارے ہیں۔''

سوال نمبر 37: انسانوں کے اچھے اور برے اعمال لکھنے والے فرشتے کون سے ہیں؟

جواب: انسانوں کے اعمال لکھنے والے فرشتے کراماً کاتبین ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ○ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ○ يَعْلَمُوْنَ مَا

(۱) ابن حبان، کتاب العظمۃ، ۳:۳ ۹۷، رقم: ۴۹۶

(۲) حاکم، المستدرک، ۴:۳ ۶۰، کتاب الاھوال، رقم: ۸۶۷۶

تَفْعَلُوْنَo(۱)

’’حالانکہ تم پر نگہبان فرشتے مقرر ہیںo (جو) بہت معزز ہیں، (تمہارے اعمال نامے) لکھنے والے ہیںo وہ ان (تمام کاموں) کو جانتے ہیں جو تم کرتے ہوo‘‘

اسی طرح ای   اور مقام پر ارشاد باری تعالٰی ہے:

اَمْ اَبْرَمُوْآ اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَo اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰهُمْ ط بَلٰی وَ رُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَo(۲)

’’کیا انہوں نے اپنے خیال میں کوئی کام پکا کر لیا ہے تو ہم اپنا کام کرنے والے ہیں۔ کیا اس گھمنڈ میں ہیں کہ ہم ان کی آہستہ بات اور انکی مشاورت نہیں سنتے ہاں! کیوں نہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھ رہے ہیں۔‘‘

حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’کراماً کاتبین دو فرشتے ہیں ان میں سے ای   اس (انسان) کی دائیں طرف ہوتا ہے جو نیکیاں تحریر کرتا ہے اور ای   اس کے بائیں طرف ہوتا ہے جو برائیاں لکھتا ہے۔‘‘

دائیں طرف والا فرشتہ اپنے ساتھی (فرشتہ) کی گواہی کے بغیر نیکی لکھ دیتا ہے مگر جو اس کے بائیں ہوتا ہے۔ وہ اپنے ساتھی (فرشتہ) کی گواہی کے بغیر کوئی برائی نہیں لکھتا۔ اگر وہ آدمی بیٹھتا ہے تو ای   اس کے دائیں اور دوسرا اس کے بائیں ہوتا ہے اور اگر وہ چلتا ہے تو ای   ان میں سے اس کے آگے

---

(۱) الإنفطار، ۸۲: ۱۰۔۱۲

(۲) الزخرف، ۴۳: ۷۹، ۸۰

ہوتا ہے اور دوسرا اس کے پیچھے، اور اگر وہ سوتا ہے تو ایک ان میں سے اس کے سر کے پاس ہوتا ہے اور دوسرا اس کے پاؤں کی جانب ہوتا ہے۔(۱)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌO مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌO(۲)

''جب اس سے لیتے ہیں دو لینے والے ایک داہنے بیٹھا اور ایک بائیں کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔''

تمام فرشتے نفس اور شیطان کے وسوسوں سے محفوظ ہیں، اس لئے انہیں معصوم کہا جاتا ہے۔

سوال نمبر 38: ایمان بالقدر سے کیا مراد ہے؟

جواب: ایمان بالقدر سے مراد یہ عقیدہ ہے کہ اس کائنات میں انسانوں کے تمام احوال و کیفیات کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس لوحِ محفوظ میں اَزل سے لکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی انفرادی اور شخصی زندگی کے حوالے سے اچھائی اور برائی تخلیق کر کے اسے یہ اختیار دیا ہے کہ وہ دو راستوں میں سے کسی ایک کو منتخب کرے، چاہے تو نیکی اختیار کرے اور چاہے تو بدی کو اپنائے۔ اس کا ذکر سورۃ البلد میں یوں کیا گیا ہے:

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ O وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِ O وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِO(۳)

(۱) ابن حبان اصبہانی، العظمۃ، ۳:۱۰۰۰، رقم: ۵۱۹

(۲) ق، ۵۰: ۱۷، ۱۸

(۳) البلد، ۹۰: ۸۔۱۰

’’کیا ہم نے اس (انسان) کے لئے دو آنکھیں نہیں بنائیںo اور ای زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائےo اور ہم نے اسے دونوں راہیں نمایاں دکھا دیںo‘‘

اس سے ظاہر ہوا کہ انسان محض مجبور نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے کچھ کر ہی نہ سکے مگر یہ کہ جو کچھ اس کے ہاتھوں سرزد ہوا اور جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے سب اللہ کے علم میں ہے۔ اسی کا نام تقدیر ہے اور اس پر ایمان لانا ایمان بالقدر کہلاتا ہے۔

سوال نمبر 39: قضا و قدر سے کیا مراد ہے؟

جواب: قضا کا لغوی معنی فیصلہ کرنا، ادا کرنا اور انجام دینا ہے۔(۱)

اس سے مراد وہ اصول اور قوانین فطرت ہیں جن کے تحت یہ کارخانہ قدرت اپنے اپنے وقت پر معرض وجود میں لایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ صادر فرما دیا کہ اگر کوئی شخص نیکی کرے گا تو اسکے نتائج بھی نیک ہوں گے اور برائی کے ثمرات بھی ویسے ہی برے ہوں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ط(۲)

’’اس نے جو نیکی کمائی اس کے لئے اس کا اجر ہے اور اس نے جو گناہ کمایا اس پر اس کا عذاب ہے۔‘‘

قدر کا لغوی معنی اندازہ کرنا، طے کرنا اور مقرر کرنا ہے۔(۳)

---

(۱) راغب اصفہانی، المفردات، ۴۰۶، ۴۰۷

(۲) البقرہ، ۲: ۲۸۶

(۳) راغب اصفہانی، المفردات، ۳۹۵

اس سے مراد کائنات اور بنی نوع انسان کے احوال کا وہ علم ہے جواللہ تعالیٰ کے پاس لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ کُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍO(۱)

''ہر چیز کو ہم نے کتاب روشن یعنی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہےo''

بہت سی احادیث میں بھی اس مسئلے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال قبل تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں جبکہ اسکا عرش پانی پر تھا۔''(۲)

سوال نمبر 40: کیا تقدیر کا فیصلہ اٹل ہوتا ہے یا بدل بھی سکتا ہے؟

جواب: نہیں، تقدیر قطعاً ایسی چیز نہیں جس میں تبدیلی نہ ہو سکے۔ تقدیر کی درج ذیل تین اقسام ہیں:

(۱) تقدیر مبرم حقیقی

(۲) تقدیر مبرم غیر حقیقی

(۳) تقدیر معلق

پہلی قسم تقدیر مبرم حقیقی ہے۔ یہ آخری فیصلہ ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوح محفوظ پر لکھ دیا جاتا ہے اور اس میں تبدیلی ناممکن ہے اسی لیے جب فرشتے قوم لوط علیہ السلام پر عذاب کا حکم لے کر آئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام

---

(۱) یٰسین، ۳۶: ۱۲

(۲) مسلم، الصحیح، ۴: ۲۰۴۴، کتاب القدر، باب حجاج آدم وموسیٰ، رقم: ۲۶۵۳

کی بارگاہ خداوند میں عرض کے باوجود اللہ تعالیٰ نے عذاب نازل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

یٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَاۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍO(۱)

''(فرشتوں نے کہا) اے ابراھیم! اس بات سے درگزر کیجئے، بیشک اب تو آپ کے رب کا حکم (عذاب) آ چکا ہے اور انہیں عذاب پہنچنے ہی والا ہے جو پلٹایا نہیں جا سکتا۔''

چونکہ یہ عذاب قضائے مبرم حقیقی تھا اس لیے نہ ٹل سکا۔

دوسری قسم تقدیر مبرم غیر حقیقی ہے جس تک خاص اکابر اولیاء کی رسائی ہوسکتی ہے۔ سیدنا غوث اعظمؓ اسی بارے میں فرماتے ہیں: ''میں قضائے مبرم کو رد کر دیتا ہوں۔''(۲)

اسی کی نسبت احادیث میں ارشاد ہوتا ہے:

۱. **لَا يُرَدُّ الْقَضَاءِ إِلَّا الدُّعَاءَ.**(۳)

''صرف دعا ہی قضا کو ٹالتی ہے۔''

۲. **اِنَّ الدُّعَا يَرُدُّ الْقَضَآءَ الْمُبْرَمَ.**(۴)

''بے شک دعا قضائے مبرم کو ٹال دیتی ہے۔''

---

(۱) ھود، ۱۱: ۷٦

(۲) بہار شریعت، ۱:٦

(۳) ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب القدر، باب ماجاء لا یرد القدر إلا الدعاء، رقم: ۲۱۳۹

(۴) دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۵: ۳٦۴، رقم: ۸۴۴۸

تیسری اور آخری قسم قضائے معلق کی ہے جس تک اکثر اولیاء، صلحاء اور نیک بندوں کی رسائی ہوسکتی ہے، خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہو یا نبی اکرم ﷺ کی شفاعت سے ہو یا اولیاء کرام کی دعاؤں سے، والدین کی خدمت سے یا صدقہ و خیرات سے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی یہ وعدہ ہے کہ اگر کوئی بندہ چاہے تو ہم اس کے بدلنے والے ارادے، نیت اور دعا کے ساتھ ہی اس کی تقدیر بھی بدل دیں گے۔ سورۃ الرعد میں ارشاد فرمایا:

يَمْحُوْا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ○ (۱)

''اللہ جس (لکھے ہوئے) کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) ثبت فرما دیتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب (لوح محفوظ) ہے۔''

ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے تعظیم کا سجدہ نہ کیا اور اس وجہ سے وہ کافر ہو گیا لیکن اس بد بخت شیطان نے اللہ سے دعا کی:

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○ (۲)

''اس نے کہا اے پروردگار! پس تو مجھے اس دن تک مہلت دے دے (جس دن) لوگ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے۔''

اللہ نے اسے کھلی چھٹی دے دی اگر اللہ شیطان مردود کی دعا قبول کر کے اس کی تقدیر بدل سکتا ہے تو یقیناً اپنے نیک بندوں کی دعاؤں سے بھی تقدیر بدل سکتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شام میں طاعون کی وبا پھیلی اور اس

---

(۱) الرعد، ۱۳: ۳۹

(۲) الحجر، ۱۵: ۳۶

زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شام کے سفر پر تھے۔ وباء کی وجہ سے انہوں نے وہاں سے نکلنے میں جلدی کی تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أَتَفِرُّ مِنْ قَدْرِ اللهِ

''کیا آپ تقدیر سے بھاگتے ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب دیا

أَفِرُّ مِنْ قَضَاءِ اللهِ اِلٰی قَدْرِ اللهِ. (۱)

''میں اللہ کی قضا سے اس کی قدر کی طرف بھاگتا ہوں۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر طاعون جیسا مرض کسی علاقے میں وبا کی صورت میں پھیل جائے اور میں کسی دوسرے علاقے میں پہنچ کر اس مرض سے بچ جاؤں تو میرا بچ جانا خدا کی تقدیر یعنی علم میں ہوگا۔

لہٰذا آیت مبارکہ اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں ثابت ہوگیا کہ خداوند تعالیٰ جب چاہتا ہے اپنے علم کے مطابق موقع بہ موقع تقدیر میں رد و بدل کرتا رہتا ہے اور یہ رد و بدل قضائے معلق کی صورت میں ہوتا ہے لیکن جو خدا کے علم میں آخری فیصلہ ہوتا ہے وہی ہو کر رہتا ہے۔

سوال نمبر 41: کیا قضا و قدر کے مسئلے میں غور و فکر کرنا جائز ہے؟

جواب: جی نہیں! کیونکہ قضاء و قدر کے مسائل کو عام لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ اس میں زیادہ غور و فکر کرنا دین و ایمان کے تباہ ہونے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسئلے پر بحث کرنے سے سخت منع فرمایا ہے۔

---

(۱) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳: ۲۸۳

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَ نَحْنُ نَتَنَازَعُ فِي الْقَدْرِ، فَغَضَبَ حَتّٰى اِحْمَرَّ وَجْهُهٗ حَتّٰى كَاَنَّمَا فُقِیَ فِیْ وَجْنَتَيْهِ حَبُّ الرُّمَّانِ، فَقَالَ: اَبِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَمْ بِهٰذَا اُرْسِلْتُ اِلَيْكُمْ؟ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِيْنَ تَنَازَعُوْا فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ، عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ اَنْ لَّا تَنَازَعُوْا فِيْهِ.(۱)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم تقدیر کے مسئلہ میں بحث کر رہے تھے۔ اس پر آپ ﷺ کا چہرہ اقدس شدتِ غضب سے سرخ ہو گیا کہ گویا انار کے دانے آپ کے عارضِ اقدس پر نچوڑ دیے گئے ہوں پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم کو اسی کا حکم دیا گیا ہے؟ کیا میں تمہاری طرف اسی چیز کے ساتھ بھیجا گیا ہوں؟ تم سے پہلی قومیں اسی وقت ہلاک ہوئیں جب انہوں نے قضا و قدر کے مسئلہ میں مباحثہ کیا۔ میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ آئندہ اس مسئلہ میں بحث نہ کرنا۔‘‘

سوال نمبر 42: دینِ اسلام سے کیا مراد ہے؟

جواب: دینِ اسلام سے مراد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات پر مبنی وہ نظامِ حیات ہے جو ہر اعتبار سے کامل اور مکمل ہو اور وہ انسانی زندگی کے ہر شعبے کی ضروریات کو پوری کرتا ہو۔ اس میں انفرادی سطح سے لے کر اجتماعی اور بین الاقوامی سطح تک کی زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں رہنمائی کا سامان موجود ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

(۱) ترمذی، السنن، کتاب القدر، ۴: ۴۴۳، رقم: ۲۱۳۳

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْاِسْلَامُ.(۱)

’’بے شک دین اللہ کے نزدیک فقط اسلام ہی ہے۔‘‘

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا.(۲)

’’آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو (بطور) دین (یعنی مکمل نظام حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا۔‘‘

ان آیات سے اسلام کے ایک کامل اور مکمل دین ہونے کا تصور ابھرتا ہے۔

سوال نمبر 43: ایمان اور اسلام میں کیا فرق ہے؟

جواب: ایمان اور اسلام دراصل ایک حقیقت کے دو رخ ہیں، ان میں فرق صرف یہ ہے کہ جن حقائق کی تصدیق ایمان کے درجہ میں دل اور زبان سے کی جاتی ہے، اسلام کے درجہ میں ان کی تصدیق عملاً ہونی ضروری ہو جاتی ہے۔ گویا ایمان ضروریات دین کو دل سے سچا ماننے اور زبان سے ان کا اقرار کرنے کا نام ہے جبکہ اسلام اطاعت، فرمانبرداری اور عمل کرنے کا نام ہے۔

سوال نمبر 44: مسلمان کی تعریف کیا ہے؟

جواب: مسلمان کا مطلب ہے دین اسلام کا پیروکار ہونا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے نزدیک صرف وہی شخص مسلمان ہے جس کا وجود دوسروں کے لئے منبع امن

(۱) آل عمران، ۳: ۱۹

(۲) المائدہ، ۵: ۳

و عافیت اور سرچشمہ امن و سکون ہو۔

حدیث نبوی ﷺ ہے:

''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور جس کی زبان سے دوسرے مسلمان کے جان و مال اور عزتیں محفوظ رہیں۔''(۱)

سوال نمبر 45: مسلمان ہونے کے لئے بنیادی شرط کیا ہے؟

جواب: مسلمان ہونے کی بنیادی شرط **اِقرار بِاللّسان** ہے یعنی زبان سے کلمہ طیبہ پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اقرار و اعلان کرنا تاکہ دوسرے لوگ اسے مسلمان سمجھیں، اس کے ساتھ اہل اسلام کا سا سلوک کریں اور وہ بحیثیت مسلم اسلام کی طرف سے عطا ہونے والے حقوق سے متمتع ہو سکے۔

سوال نمبر 46: کلمہ طیبہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: ''**لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ**'' کو کلمہ طیبہ کہتے ہیں۔ کلمہ طیبہ کا مطلب یہ ہے:

''اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور (حضرت) محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔''

سوال نمبر 47: کیا انسان اپنی مادری زبان میں توحید اور رسالت کا اقرار کر لینے سے مسلمان ہو جاتا ہے؟

جواب: جی ہاں! اگر کوئی شخص اپنی مادری زبان میں توحید و رسالت کا اقرار کر لے تو وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے گا۔

سوال نمبر 48: کیا کلمہ طیبہ کے سوا کوئی اور کلمہ بھی ہے جسے پڑھنے

(۱) بخاری، الصحیح، ۱: ۱۳، کتاب الایمان، رقم: ۱۰

اور ماننے سے انسان مسلمان بن جاتا ہے؟

جواب: جی ہاں! وہ دوسرا کلمہ ہے جسے کلمہ شہادت کا نام دیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ.

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

سوال نمبر 49: کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت میں کیا فرق ہے؟

جواب: کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت میں فرق یہ ہے کہ کلمہ طیبہ میں صرف توحید و رسالت کا اقرار اور اظہار ہے جبکہ کلمہ شہادت میں توحید و رسالت کی تصدیق بطور شہادت بیان کی گئی ہے۔

سوال نمبر 50: گونگے آدمی کا قبول اسلام کیسے معلوم ہوگا؟

جواب: جو شخص اپنی زبان سے اقرار یا انکار نہیں کر سکتا اس کے مسلمان ہونے کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اشارے سے ظاہر کر دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور اسلام میں جو کچھ ہے وہ صحیح اور برحق ہے۔

سوال نمبر 51: اگر کوئی شخص ''ضروریات دین'' میں سے کسی چیز کا انکار کر دے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: جو شخص ضروریاتِ دین مثلاً توحید، رسالت، قیامت، ملائکہ، جنت، دوزخ اور آسمانی کتابوں میں سے کسی ای کا بھی انکار کر دے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

سوال نمبر 52: مسلمان ہوکر بھی ہمارا ایمان کمزور کیوں ہے؟

جواب: ہمارے ایمان کی کمزوری کا بڑا سبب منافقت، حسد اور اعتقادی اختلافات ہیں جس کی وجہ سے عمل کے ہر میدان میں مسلسل بگاڑ واقع ہو رہا ہے اور ہماری اعلیٰ اخلاقی قدریں کمزور پڑ رہی ہیں اور حالت یہ ہوگئی ہے کہ ہم مصلحت، ذاتی منفعت اور دنیاوی فائدے کی خاطر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ہم نے نفسانی خواہشات کو اپنا معبود اور دنیاوی نفع کو اپنا مقصود بنا رکھا ہے، اگر ایک راہ ہدایت کی طرف جاتی ہے اور دوسری رسم و رواج کی طرف تو ہم دوسری راہ کو اختیار کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ ظاہراً ہمارے چہروں سے زہد و ورع، پرہیزگاری اور تقوی نظر آ رہا ہوتا ہے لیکن اپنے باطن میں جھانکیں تو ہمیں اپنے سے بڑا کوئی جھوٹا، مکار اور منافق نظر نہیں آئے گا، اسی دوغلے پن اور دوہرے معیار کی وجہ سے مسلمان ہو کر بھی ہمارا ایمان کمزور ہے۔

سوال نمبر 53: مضبوط اور قوی ایمان کی کیفیت کیسے نصیب ہوسکتی ہے؟

جواب: اگر ہم اپنے اعمال کا مسلسل محاسبہ کرتے رہیں اور اسلام کا صرف نام لینے پر ہی اکتفاء نہ کریں بلکہ قرآن وسنت کے اتباع میں وہ حقیقی مومنانہ زندگی بسر کرنا اپنی عادت بنا لیں جس کا مکمل نمونہ سیرت نبوی ﷺ کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے تو پھر ہمیں مضبوط اور قوی ایمان کی کیفیت نصیب ہو سکتی ہے۔

سوال نمبر 54: یقین کے کتنے درجے ہیں؟

جواب: یقین کے تین درجے ہیں:

(۱) علم (۲) عرفان (۳) ایقان

ان تینوں مدارج کو صوفیاء اپنی اصطلاح میں علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کے عنوانات سے تعبیر کرتے ہیں۔

سوال نمبر 55: علم الیقین سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہ ایمان کا پہلا درجہ ہے جسے اصطلاحاً ایمان بالغیب یا علم الیقین کہلاتا ہے۔ اس کا ذکر قرآن حکیم میں یوں آیا ہے:

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ.(۱)

’’جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔‘‘

جو لوگ بن دیکھے غیب پر ایمان لاتے ہیں ان تک یہ بات اس ہستی کے ذریعے پہنچی ہے جس نے حقیقت کو بے نقاب دیکھا ہے، لہٰذا ایمان کا اولین تقاضا یہ ہے کہ بن دیکھے خدا کو اور دیگر مخفی حقائق کو صرف اور صرف اس بنا پر مان لیا جائے کہ مومن تک ان کا علم اس مُخبر صادق ﷺ کے واسطے سے پہنچا ہے جس نے خود خدا تعالیٰ کی ذات والا صفات کا مشاہدہ کیا ہے گویا جو کچھ آقائے دو جہاں ﷺ نے فرمایا ہے اس کو من وعن اور بلاکم و کاست مان لینا ہی ایمان بالغیب ہے۔ ایمان بالغیب کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ اگر کسی محلے میں ایک آدمی قتل ہو جاتا ہے اور کوئی شخص دوسروں کو بتاتا ہے کہ فلاں شخص اس گھر کے اندر قتل ہوا ہے اور فلاں آدمی قاتل ہے اور وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ قتل اس کے سامنے ہوا ہے تو اس شخص کے کہنے پر واقعہ قتل پر یقین کر لینا یقین کا پہلا درجہ ہے۔ اسی طرح بن دیکھے اللہ پر ایمان لانا ایمان بالغیب ہے۔

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۳

سوال نمبر 56: عرفان سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس کے بعد ایمان کا دوسرا درجہ آتا ہے جسے ''عرفان'' کہا جاتا ہے یعنی جس حقیقت کو بن دیکھے مانا جا رہا ہے اس حقیقت کے قرائن اور شواہد کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا اور ان قرائن و شواہد کی بنیاد پر اس ہستی پر اپنا یقین پختہ کرنا عرفان کہلاتا ہے، یہ ''عرفان بالشواہد'' ہے۔ یقین کے اس درجے کا ذکر قرآن حکیم میں یوں آتا ہے:

وَ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَO(۱)

''اور خود تمہارے نفوس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں، کیا تم نہیں دیکھتےO''

اس آیۃ کریمہ میں انسانوں کو باور کرایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کے بے پایاں تصرفات اور اس کے کمالات پر ایمان لانے، سوچنے، سمجھنے اور غور وفکر کر کے صحیح نتائج اخذ کرنے کی استعداد اور صلاحیت سب کچھ تمہارے اندر مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تمام حقائق اور انکی علامات تمہارے اپنے نفس میں موجود ہیں۔ ذرا اپنے اندر جھا ․ کر تو دیکھو، اپنی بشریت کے تار یـ حجابات اٹھا کر حقیقت کو سمجھنے کی کوشش تو کرو، کس طرح حقائق تمہارے باطن سے جھلکتے نظر آتے ہیں۔

اسے مثال سے یوں واضح کیا جا سکتا ہے کہ ایـ شخص مکان سے دوڑتا ہوا باہر آئے جبکہ اس کے ہاتھ میں خون آلود چھری ہو، اس کے کپڑوں پر خون کے چھینٹے ہوں اور وہ پریشان و ہراساں بھی ہو اور وہ اسی عالم میں دوڑتا

(۱) الذاریات، ۵۱ :۲۱

ہوا نکل جائے، اس کیفیت میں کوئی شخص قتل کے قرائن اور شواہد کو دیکھے اور ان کی مدد سے قتل کا یقین کر لے تو یہ ایمان کا دوسرا مرحلہ یعنی عرفان ہے۔''

سوال نمبر 57: ایقان سے کیا مراد ہے؟

جواب: ایمان کا تیسرا درجہ ایقان ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بابت بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے بارگاہ رب العزت میں یہ درخواست پیش کی:

رَبِّ اَرِنِی کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی.(۱)

''میرے رب! مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ فرماتا ہے۔''

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے سے نہیں جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے؟

قرآن کریم فرماتا ہے کہ اس سے پہلے ان کا ایمان، ایمان بالغیب اور عرفان بالشواہد کے درجے میں تھا اور اب وہ مشاہدے کے ذریعے ایمان کے آخری درجے یعنی ایقان بالمشاہدہ تک پہنچنا چاہتے تھے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سوال کیا:

اَوَلَمۡ تُؤۡمِنۡ.

''کیا تم یقین نہیں رکھتے؟''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا:

بَلٰی وَلٰکِنۡ لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ.(۲)

(۱) البقرہ، ۲: ۲۶۰

(۲) البقرہ، ۲: ۲۶۰

''کیوں نہیں! (یقین رکھتا ہوں) لیکن (چاہتا ہوں کہ) میرے دل کو بھی خوب سکون نصیب ہو جائے۔''

اللہ تعالیٰ کو اس بات کا علم تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کس مقصد کے تحت یہ سوال کر رہے ہیں مگر یہ مکالمہ انسانوں کو تعلیم دینے کی غرض سے تھا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ط وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○(۱)

''سو تم چار پرندے پکڑ لو پھر انہیں اپنی طرف مانوس کر لو پھر (انہیں ذبح کر کے) ان کا ایک ایک ٹکڑا ایک ایک پہاڑ پر رکھ دو پھر انہیں بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں گے، اور جان لو کہ یقیناً اللہ بڑا غالب حکمت والا ہے ○''

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم و عرفان تو پہلے سے تھا مگر وہ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ کر حق الیقین حاصل کرنا چاہتے تھے جو اللہ رب العزت نے ان کو عطا کر دیا۔ قدرت کی ان تمام نشانیوں کو دکھانے کا مقصد انہیں درجہ ایقان تک پہنچانا تھا جو ایمان اور یقین کا آخری درجہ ہے۔

اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک شخص کسی جانور کو ذبح کر کے آیا ہو اور دوسرا کسی انسان کو قتل کر کے آیا ہو، کسی راہگیر نے قتل ہونے کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور دہشت زدہ ہو کر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا تو حقیقت حال سے

(۱) البقرہ، ۲: ۲۶۰

بے خبر لوگ جانور ذبح کرنے والے کو اس کے کپڑوں پر پڑے خون کے چھینٹے دیکھ کر قاتل سمجھ بیٹھے۔ اس کے مقابلے میں وہ شخص جو عین موقع واردات پر موجود تھا اور جس نے دن کے اجالے میں اپنی آنکھوں سے قتل کا معاملہ دیکھا اور وہ قاتل و مقتول کو اچھی طرح جانتا اور پہچانتا بھی ہے یہ شخص اس معاملے میں صاحبِ ایقان ہے۔

سوال نمبر 58: ایمان کا ادنیٰ و اعلیٰ درجہ کیا ہے؟

جواب: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْإِیْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ أَوْ بِضْعٌ وَسِتُّوْنَ شُعْبَةً، فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيْقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيْمَانِ (۱)

''ایمان کی ستر یا ساٹھ سے زیادہ شاخیں ہیں جن میں سے سب سے افضل شاخ کلمہ طیبہ کا اعتقاد ہے اور سب سے ادنیٰ شاخ راستہ میں سے کسی تکلیف دہ چیز کو دور کر دینا ہے، اور حیاء بھی ایمان ہی کی ایک شاخ ہے۔''

حدیث جبریل میں احسان کے مفہوم میں ایمان کے ادنیٰ و اعلیٰ درجے کو بہت عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ جب جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ احسان کیا ہے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ.

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب بیان عدد شعب الإیمان، ۱: ، رقم: ۳۵

''(ایمان کا اعلیٰ درجہ یعنی احسان یہ ہے) کہ تم اللہ کی عبادت و بندگی اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اور (ایمان کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ) اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو (یہ یقین رکھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''(۱)

حدیث جبریل میں مذکور لفظ عبادت سے اگر کسی کو یہ گمان ہو کہ عبادت اور بندگی سے مراد وہی امور ہیں جنہیں عرف عام میں عبادات سے تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اور انہی عبادات کا بجا لانا انسانی زندگی کا نصب العین ہے تو یہ تصور غلط ہے۔ قرآنی تصورِ عبادت اور اسلامی مفہوم بِرّ اس قدر وسیع ہے کہ یہ انسان کی فکری اور عملی زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہے۔ اسلام کا پیش کردہ تصورِ بندگی انسانی زندگی کو درج ذیل خصائص کا جامع دیکھنا چاہتا ہے۔

۱۔ صحتِ عقائد: انسان کا عقیدہ صحیح ہونا چاہے جس میں اللہ تعالیٰ، آخرت، فرشتوں، آسمانی کتابوں اور انبیاء و رسل پر ایمان لانا ضروری ہے۔

۲۔ محبتِ الٰہی: اللہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر محبت کرنی چاہیے جس کا ثبوت خلق خدا کے حق میں نفع بخشی، فیض رسانی اور مالی ایثار و قربانی کے ذریعے فراہم کیا جائے۔

۳۔ مالی ایثار: اللہ تعالیٰ نے جو رزق عطا کیا ہے اس سے حاصل کردہ وسائلِ دولت، مستحق رشتہ داروں، یتامیٰ و مساکین، غرباء و فقراء اور غلامی و محکومی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کی آزادی، معاشی بحالی اور آسودگی پر خرچ کیے جائیں۔

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الایمان، باب سوال جبرئیل علیہ السلام، ۱: ۲۷، رقم: ۵۰

۴۔ صحتِ اعمال: تمام احکام شریعت یعنی نماز، روزہ وغیرہ ارکان اسلام کی پابندی کی جائے۔

۵۔ ایفائے عہد: ضروری ہے کہ انسان جو عہد اور فیصلہ کرے عزم و ہمت کے ساتھ اس پر ثابت قدم رہے۔

۶۔ صبر و تحمل: چاہے کتنے ہی مصائب و شدائد اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑے انسان کو چاہیے کہ تمام غیر معمولی حالات میں بھی صبر و تحمل اور عزم و استقلال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

۷۔ جہاد: اعلائے کلمۃ اللہ اور حق کی سربلندی کی خاطر کسی قسم کی مخالفت اور مخاصمت سے نہ گھبرائے، خواہ راہ جہاد میں مخالفین سے کھلی جنگ کی صورت ہی کیوں نہ ہو۔

مذکورہ بالا خصائص، اجزائے دین کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان تمام اجزاء کا مجموعہ ''نیکی اور اصل عبادت'' ہے۔ گویا اصل عبادت اور بندگی ای اکائی کا نام ہے اور زندگی کے جملہ معاملات مذہبی ہوں یا دنیوی اس کُل کے مختلف اجزاء ہیں۔ جس طرح کسی اکائی سے کوئی ای جز اگر الگ ہو جائے تو اسے کُل کا نام نہیں دیا جا سکتا اسی طرح عبادت الٰہیہ پر محیط زندگی کے کسی ای پہلو کو دوسروں سے لاتعلق کر کے کامل بندگی کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

لہٰذا ایمان کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان پوری زندگی اس طرح بسر کرے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے اور ایمان کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی اس طرح بسر کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے۔

ایمان کے اعلیٰ اور ادنیٰ مدراج کو درج ذیل حدیث مبارکہ بھی واضح کرتی ہے، جس میں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ رَأَى مِنْكُم مُنكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَالِكَ اَضْعَفُ الْإِيْمَان.(۱)

''تم میں سے جو شخص خلافِ شریعت کام دیکھے تو اپنے ہاتھوں سے اس کی اصلاح کرے، اور اگر وہ اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کا ردّ کرے، اور اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو دل سے اسے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

مذکورہ حدیث مبارکہ میں ایمان کے درجات کو بڑے ہی احسن پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔

سوال نمبر 59: ایمان کی خوبی کیا ہے؟

جواب: ایمان کی خوبی یہ ہے کہ یہ امن وسلامتی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ جو شخص صاحب ایمان ہو جاتا ہے وہ خود بھی امن پا لیتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی باعث امن بن جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ.(۲)

''مومن وہ ہے جس سے دوسروں کی جان اور مال امن میں رہیں۔''

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان، ۱: ۶۹، رقم: ۴۹

(۲) سنن نسائی، کتاب الایمان وشرائعہ، ۸: ۶۷، رقم: ۴۹۹۵

سوال نمبر 60: کیا ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے؟

جواب: ایمان تجزی یعنی جزئیات کو قبول نہیں کرتا، اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی بلکہ اعمال صالحہ اور خیر و تقویٰ سے ایمان کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے، جبکہ اَعمالِ بد اور شر و فساد سے ایمان ضعف یعنی کمزوری کا شکا ہو جاتا ہے۔ درج ذیل آیات سے واضح ہوتا ہے کہ مومنین کا ایمان اعمالِ صالحہ سے قوت پاتا ہے:

سورۃ آل عمران میں ارشاد ربانی ہے:

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُO(۱)

’’(یہ) وہ لوگ (ہیں) جن سے لوگوں نے کہا کہ مخالف لوگ تمہارے مقابلے کے لئے (بڑی کثرت سے) جمع ہو چکے ہیں۔ سو ان سے ڈرو۔ تو (اس بات نے) ان کے ایمان کو اور بڑھا دیا اور وہ کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے، اور وہ کیا اچھا کارساز ہے۔‘‘

اسی طرح سورۃ الانفال میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَO اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَO اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌO(۲)

---

(۱) آل عمران، ۳: ۱۸۳

(۲) انفال، ۸: ۲-۴

’’ایمان والے (تو) صرف وہی لوگ ہیں کہ جب (انکے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (تو) ان کے دل (اس کی عظمت و جلال کے تصور سے) خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ (کلام محبوب کی لذت انگیز اور حلاوت آفریں باتیں) ان کے ایمان میں زیادتی کر دیتی ہیں۔ اور وہ (ہر حال میں) اپنے رب پر توکل (قائم) رکھتے ہیں (اور کسی غیر کی طرف نہیں تکتے) (یہ) وہ لوگ ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے، اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ (حقیقت میں) یہی لوگ سچے مومن ہیں۔ ان کے لئے ان کے رب کی بارگاہ میں (بڑے) درجات ہیں اور مغفرت اور بلند درجہ رزق ہے۔‘‘

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص لا إلٰه إلا الله کا اقرار کرے اور اس کے دل میں جَو کے کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو تو اسے دوزخ سے ضرور آزاد کیا جائے گا۔ اور جو شخص لا إلٰه إلا الله کہے اور اس کے دل میں گندم کے دانے کے برابر (بھی) ایمان ہو تو اسے بھی دوزخ سے نکالا جائے گا۔ اور جس نے لا إلٰه إلا الله پڑھ لیا اور اس کے دل میں ذرہ برابر بھی نیکی ہو تو اسے (بھی) دوزخ سے نکالا جائے گا، حتی کہ جس شخص نے زندگی میں صرف ای مرتبہ لا إلٰه إلا الله کہا ہو گا اسے بھی بالآخر جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔(۱)

---

(۱) بخاری، الصحیح، زیادۃ الایمان ونقصانہ، ۱: ۲۴، رقم: ۴۴

سوال نمبر 61: موجودہ دور زوال میں ایمان کی حفاظت کس طرح ممکن ہے؟

جواب: اگر اہل ایمان درج ذیل تین نوع کے تعلق مضبوطی سے استوار کر لیں تو ان کے ایمان کی حفاظت ممکن ہے:

۱۔ تعلق باللہ ۲۔ تعلق بالرسول ۳۔ تعلق بالقرآن

اس حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُم اٰيٰتُ اللهِ وَ فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ط وَ مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ O(۱)

''اور تم اب کس طرح کفر کرو گے حالانکہ تم وہ (خوش نصیب) ہو کہ تم پر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں (خود) اللہ کے رسول موجود ہیں اور جو شخص اللہ (کے دامن) کو مضبوط پکڑ لیتا ہے تو اسے ضرور سیدھی راہ کی طرف ہدایت کی جاتی ہے O''

مذکورہ آیت میں اہل اسلام میں ہر ایک کو یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ اگر وہ اپنے ایمان کی حفاظت اور کفر و گمراہی سے نجات چاہتا ہے تو ان تمسکات کا یہ استحکام قائم رہنا چاہیے کیونکہ اگر ایمان کے یہ تینوں تعلق سلامت رہیں تو مسلمان ایمان سے محروم نہیں ہو سکتا اور اگر ان میں سے کوئی ایک تعلق بھی ٹوٹ جائے تو انسان ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔

سوال نمبر 62: تعلق باللہ سے کیا مراد ہے؟

---

(۱) آل عمران، ۳: ۱۰۱

جواب: تعلق باللہ سے مراد یہ ہے کہ بندہ مومن کے دل میں اللہ کے سوا کسی اور کی محبت جاگزین نہ ہو کیونکہ جس دل میں خدا تعالیٰ کی محبت سما جاتی ہے، اس دل میں کسی اور کے لئے محبت والا تعلق پیدا ہی نہیں ہوسکتا جب یہ کیفیت نصیب ہو جائے تو بیوی بچوں، بہن بھائیوں، رشتہ داروں اور دوستوں کی محبتیں اس عظیم محبت کے تابع ہو جاتی ہیں پھر یہ محبت جس محبت کو باقی رکھنا چاہتی ہے وہ باقی رہتی ہے اور جس کو ختم کرنا چاہتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللهِ: اَلْحُبُّ فِي اللهِ وَ الْبُغْضُ فِي اللهِ. (۱)

’’اللہ تعالیٰ کے لئے محبت اور اللہ تعالیٰ کے لئے بغض رکھنا اللہ کے نزدیک پسندیدہ ترین عمل ہے۔‘‘

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَوْثَقُ عَرْىُ الْاِيْمَانِ الْحُبُّ فِي اللهِ وَ الْبُغْضُ فِي اللهِ. (۲)

’’اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنا اور اللہ تعالیٰ کے لئے بغض رکھنا ایمان

(۱) ۱۔ احمد بن حنبل، ۵: ۱۴۶
۲۔ طیالسی، المسند: ۱۰۱، رقم: ۷۴۷
۳۔ دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۱: ۳۵۵، رقم: ۱۴۲۹
۴۔ دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۲: ۱۵۵، رقم: ۲۷۸۶

(۲) ۱۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۶: ۱۷۰، ۱۷۲، رقم: ۳۰۴۲۰، ۳۰۴۲۱، ۳۰۴۴۳
۲۔ ایضاً، ۷: ۸۰، رقم: ۳۴۳۳۸

کا مضبوط ترین گوشہ ہے۔''

سوال نمبر 63: تعلق بالرسول ﷺ سے کیا مراد ہے؟

جواب: امت کا حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ پختہ تعلق قائم رکھنا اور آپ ﷺ کی تعلیمات کی دل و جان سے پیروی اور اتباع کرنا تعلق بالرسول کہلاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور اس (کتاب) پر ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر نازل کی گئی ہے اور وہی ان کے رب کی جانب سے حق ہے۔''(۱)

موجودہ معروضی حالات میں یہ افسوس کا مقام ہے کہ ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت کے بلند و بانگ دعوے تو بہت کرتے ہیں مگر اس محبت کے تقاضے پورے نہیں کرتے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات سے تعلق بحال ہونے کا معنی یہ ہے کہ آقا ﷺ کی غلامی کا طوق ہم اس طرح زیب گلو کریں کہ دنیا کی ہر غلامی سے ہماری جان چھوٹ جائے۔ وہ لوگ جو فقط حضور ﷺ کے خادم اور غلام بن جاتے ہیں وہ دنیا کے جاہ و منصب اور جھوٹی وفاداریوں کے بت پاش پاش کر دیتے ہیں اور سوائے حضور نبی اکرم ﷺ کے کسی اور سے آشنائی کا دم نہیں بھرتے۔ جس دن ہم آپ ﷺ کے سچے اور سُچے خادم اور غلام بن گئے اس دن ہم محکومی غیر سے آزادی حاصل کر کے حریت کی منزل تک جا پہنچیں گے۔

سوال نمبر 64: تعلق بالقرآن سے کیا مراد ہے؟

---

(۱) محمد، ۴۷: ۲

جواب: تعلق بالقرآن، قرآن کی تعلیمات کے برحق ہونے، ان پر عمل کرنے اوران کے عملی نتائج کے سو فی صد درست ہونے پر پختہ اور کامل یقین رکھنے کو کہتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ. (۱)

''(اے محبوب!) ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جو ہر شے کا بیان کرنے والی ہے۔''

اس آیۃ کریمہ میں بنی نوع انسان کو یہ نکتہ سمجھایا جا رہا ہے کہ اگر قرآن سے حقیقی تعلق قائم ہو جائے تو ہمیں قرآن میں اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم وحکمت کے سوا دنیا کے کسی فلسفے سے رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ دنیا کے تمام افکار و نظریات، فلسفے اور نظام بے کار، ناقص اور فرسودہ ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ہماری زندگیاں سر قرآن کے سانچے میں اس طرح ڈھل جائیں کہ ہم قرآن کے دیئے گئے ہر حکم کو جو قرآن کہے وہی مانیں اور جس سے قرآن روک دے اس سے رک جائیں، تبھی ہمارا تعلق قرآن سے قائم ہو سکے گا۔

یہ تمسکات ایمان کی تین بنیادیں ہیں جن کی استواری پر قرآن مجید نے ایمان کی حفاظت کا دار و مدار رکھا ہے۔ ہمارے ایمان کی حفاظت اس وقت ہو گی جب قرآن سے، ذات مصطفیٰ ﷺ اور اللہ سے ہمارا تعلقِ ہدایت، تعلقِ غلامی اور تعلقِ بندگی نہایت ہی احسن طریق سے بحال ہو جائے گا۔

سوال نمبر 65: ایمان کی استقامت پرکھنے کا پیمانہ کیا ہے؟

(۱) النحل، ۱۶: ۸۹

جواب: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی حالت ایمان جانچنے کے لئے انہیں مختلف مراحل سے گزارتا ہے، اس کی وضاحت اس آیہ مبارکہ میں ہوتی ہے جس میں قرآن حکیم فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو پانچ مختلف قسم کی آزمائشوں میں ڈال کر ان کے ایمان پر استقامت پرکھتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ط وَ بَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ O(۱)

’’اور ہم ضرور بالضرور تمہیں آزمائیں گے کچھ خوف اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے، اور (اے حبیب!) آپ (ان) صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیںo‘‘

متذکرہ بالا آیہ کریمہ میں ابتلاء وآزمائش کی پانچ قسموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایمان کی استقامت کو پرکھنے کا پیمانہ یہ ہے کہ بندہ ان تمام آزمائشوں میں سراپا صبر رہے اور متزلزل ہونے کی بجائے پورے اخلاص سے اللہ کی طرف رجوع کرے۔

سوال نمبر 66: استقامت کی پہلی آزمائش سے کیا مراد ہے؟

جواب: استقامت کی پہلی آزمائش ’’اَلْخَوف‘‘ ہے جو زندگی کے ساتھ سائے کی طرح لگا ہوا ہے۔ زندگی میں طرح طرح کے خطرات، اندیشے اور خوف سر پر منڈلاتے رہتے ہیں جن کے ذریعے انسان کو پوری زندگی آزمائش اور امتحان کی بھٹی سے گزارا جاتا ہے۔ یہ خوف گوناگوں اندیشوں اور خدشات کی صورت میں انسانی زندگی کے دامن گیر رہتے ہیں مثلاً کبھی جان جانے کا خوف، کبھی

---

(۱) البقرہ، ۲: ۱۵۵

مال و دولت چھن جانے کا خوف اور کبھی اولاد ہاتھوں سے نکل جانے کا خوف یا یہ کہ ان کے مستقبل کا کیا بنے گا، عزت و آبرو کیسے محفوظ رہے گی۔ خوف کی ان تمام صورتوں اور شکلوں میں یہ دیکھنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا تعلق اور لگاؤ کیسا ہے اور ہم آزمائش کی مشکل گھڑی میں بھی اپنے رب کو کس طرح مانتے ہیں۔ خوف کی ہر حالت میں اگر ہمارا تعلق باللہ قائم و دائم رہا تو ہم بحمداللہ اس امتحان میں پورے اترے۔

سوال نمبر 67: استقامت کی دوسری آزمائش کیا ہے؟

جواب: دوسری آزمائش ''وَالْجُوْعِ'' ہے یعنی مومنین کو بھوک، غربت اور افلاس سے دوچار کیا جائے گا اور باوجود محنت شاقہ اور تگ و دو کے وہ فاقہ مستی اور افلاس کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوں گے۔ یہ اس لیے نہیں کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کو انسانی ضروریات کا علم نہیں یا اسے اپنے بندے سے کوئی عداوت ہے بلکہ اس کا مدعا تو صرف اپنے بندوں کو آزمانا ہے کہ وہ حالت خوف میں بھی اللہ کے ساتھ اپنا تعلق کس طرح استوار رکھتے ہیں۔

سوال نمبر 68: استقامت کی تیسری آزمائش کون سی ہے؟

جواب: تیسری آزمائش ''نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ'' ہے، یعنی آزمائش اور امتحان کے طور پر مال و دولت، مادی آسائشوں اور نعمتوں سے نواز کر اس سے محروم کر دیا جائے گا۔ اس کا مقصد اس امر کی آزمائش ہے کہ ثروت اور محرومی دونوں حالتوں میں مومنین کے ایمان کی کیفیت کیا رہتی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ مال چھن جانے کے بعد وہ خدا کی ربوبیت کا انکار کر کے غیر اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے خدائے وحدہٗ لاشریک سے اپنا تعلق ہی منقطع کر ڈالیں۔

سوال نمبر 69: استقامت کی چوتھی آزمائش کیا ہے؟

جواب: چوتھی آزمائش ''الْاَنْفُس'' ہے جو زندگی کے کارزار میں کبھی جانیں ضائع ہونے اور اموات واقع ہونے کی صورت میں اور کبھی جان کو مختلف بیماریوں اور تکلیفوں کے مراحل سے انسان کو گزار کر آزمایا جائے گا۔ اس کو پرکھا جائے گا کہ موت سامنے دیکھ کر وہ زندگی کی تمنا کرتا ہے یا اپنے خالق و مولا کے حضور ملاقات کی آرزو رکھتا ہے۔ اسی طرح نزع اور جان کنی کی حالت بھی آزمائش کی گھڑی ہوتی ہے۔

سوال نمبر 70: استقامت کی پانچویں آزمائش کون سی ہے؟

جواب: آخری آزمائش ''الثَّمَرَاتِ'' سے مراد ''اولاد'' ہے۔ اس کے ذریعے بھی انسان کا امتحان لیا جاتا ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ اولاد سے محروم رکھ کر اسے آزماتا ہے اور کبھی اولاد عطا کر کے آزماتا ہے کہ کہیں اولاد کی محبت نے اسے حبِ الٰہی اور اللہ کی یاد سے غافل تو نہیں کر دیا۔ یہ آزمائش کی مختلف صورتیں ہمارے روزمرہ مشاہدے کا حصہ ہیں کبھی اللہ تعالیٰ اولاد سے نواز کر اسے واپس لے لیتا ہے، کبھی صرف بیٹیاں عطا کر کے اور بیٹوں سے محروم رکھ کر اور کبھی صرف بیٹے عطا کر کے اور بیٹیوں سے محروم رکھ کر اللہ کے بندوں کو امتحان کی بھٹی سے گزارا جاتا ہے۔

سوال نمبر 71: ایمان کی شاخوں سے کیا مراد ہے؟

جواب: ایمان کی شاخوں سے مراد انسان کے مختلف اعمال ہیں۔ انسان زندگی کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتا ہو اگر وہ شرعی اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے نیک نیتی کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دیتا رہے تو وہ اللہ کا قرب

حاصل کرسکتا ہے۔ اسی لیے ارشاد ربانی ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (۱)

’’جو لوگ بھی جدوجہد کر کے ہمارے قریب آنا چاہتے ہیں ہم انہیں اس مقصدِ سعید کے لئے کئی راستے دکھا دیتے ہیں۔‘‘

واضح ہو کہ اس آیت میں مجاہدہ کرنے والوں سے یہ نہیں فرمایا گیا کہ ہم انہیں ایک راستہ دکھاتے ہیں بلکہ کئی راستوں کا ذکر ہے جس سے ثابت ہوا کہ زندگی کی بے شمار راہیں ہیں اور ہر انسان اپنے لیے اپنے حسب حال کوئی راہِ عمل متعین کرسکتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’ایمان کی ستر (۷۰) سے زائد شاخیں ہیں۔ اس کی سب سے افضل شاخ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کہنا ہے اور سب سے ادنیٰ شاخ راستے سے کسی تکلیف دہ چیز (کانٹا، پتھر، نجاست وغیرہ) کا ہٹانا ہے اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔‘‘(۲)

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ ہر شاخ اپنی جگہ نہایت اہمیت کی حامل ہے اور نتیجہ خیزی کے اعتبار سے برکت کے باعث اور قربِ ربانی عطا کرنے کی موجب ہے۔

سوال نمبر 72: آدابِ ایمان کتنے اور کون کون سے ہیں؟

(۱) العنکبوت، ۲۹: ۶۹

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، ۱: ۶۳، رقم: ۵۸

جواب: ایمان کے بنیادی آداب تین ہیں۔ جن کی بجا آوری مومن بننے کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔

i) ایمان کا پہلا ادب یہ ہے کہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد زندگی کو ایک مکمل اکائی اور ایسا کل سمجھا جائے جس کے اجزاء ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ جڑے ہوئے ہیں۔

اس ادب کا تقاضا یہ ہے اسلام میں داخل ہونے کے بعد انسان کبھی ایسا نہ ہونے دے کہ اس کا ایک حصہ ایمان اور دوسرا حصہ کفر سے عبارت ہو۔ یہ صورتحال ایمان اور کفر کا ملغوبہ ہوگی جسے قرآن کی زبان میں منافقت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ii) ایمان کا دوسرا ادب یہ ہے کہ ہم نادانستہ طور پر بھی ان چیزوں کے قریب نہ پھٹکیں جن پر قرآن و حدیث نے حد مقرر کی ہے، یہ اس امر کا متقاضی ہے کہ حلال اور حرام کی تمیز زندگی میں اس طرح کارفرما ہو کہ کفر اور منافقت کا کوئی شائبہ تک باقی نہ رہے اور دینوی زندگی کے تمام معاملات اس طرح اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھل جائیں کہ انسان کا ظاہر و باطن ہر قسم کے تضاد اور شک و شبہ سے یکسر پاک ہو جائے۔

iii) ایمان کا تیسرا ادب اس اسلام کو شعار حیات بنانا ہے جسے پوری زندگی پر حاوی اور نافذ کرنے کا حکم قرآن نے دیا ہے۔

یہ ادب اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ حضور نبی اکرم A کی حیات طیبہ اور سیرت مبارکہ کے آئینے میں نظر آنے والا ہر حکم اور عمل بلا روک ٹوک بشرح صدر ایمان سمجھ کر تسلیم کر لیا جائے اور جو بات قرآن و سنت کے خلاف ہو،

اسے کفر جان کر رد کر دیا جائے۔ کفر اور ایمان کے رد و قبول کے اس معیار کو عملی زندگی میں اپنا لینا ہی ایمان کی بنیادی شرط ہے۔

سوال نمبر 73: آج کے دور میں امت مسلمہ بالعموم اور نوجوان نسل بالخصوص ایمان کی تاثیر سے کیوں محروم ہے؟

جواب: آج کے دور میں ایمان کی تاثیر سے دوری کی بنیادی وجہ نوجوان نسل کا ایمان کے معنی و مفہوم سے نا واقف ہونا اور بحیثیت مجموعی امت مسلمہ کا ایمان کی حفاظت، اس کے تقاضے اور شرائط کو پورا نہ کرنا ہے۔ علاوہ ازیں اسلام دشمن طاقتوں کی نظریاتی، ثقافتی اور جذباتی سہ جہتی یلغار بھی امت مسلمہ کی بالعموم اور نوجوان نسل کی بالخصوص ایمان کی تاثیر سے محرومی کا سبب بن رہی ہے۔ کیونکہ نظریہ کسی بھی قوم، مذہب، تحری یا تنظیم کے لئے اساسی درجہ رکھتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اقوام نظریے کی بنیاد پر بنتی اور قائم رہتی ہیں۔ جونہی نظریاتی اساس کمزور ہوئی، زوال و انتشار قوموں کا مقدر بن جاتا ہے۔

اس کی ای سادہ اور عام فہم مثال یہ ہے کہ ای درخت کی نشوونما کا دارومدار اس کی جڑ پر ہوتا ہے، اور جڑ ہی درخت کی زندگی اور تروتازگی کا ذریعہ ہے اگر جڑ میں نقص واقع ہو جائے تو درخت مرجھانا شروع ہو جائے گا پھر رفتہ رفتہ اس کے پتے، ٹہنیاں، پھل، پھول جس حالت میں ہوں گے بوسیدہ ہو کر زمین پر گر پڑیں گے۔ اگر جڑ مضبوط ہو تو پودا توانا اور پھلدار ہو گا، اس سے خوراک حاصل کرنا دوسروں کے لئے حیات بخشی کا سامان بنے گا۔ بات ساری تاثیر کی ہے، جس طرح درخت میں ساری تاثیر جڑ اور تنے کی ہوتی ہے، تاثیر اچھی ہو گی تو درخت پھل پھول بھی اچھے دے گا اور اگر تاثیر میں نقص واقع ہو

جائے تو درخت خشک ہو جائے گا یہاں تک کہ لوگ اس کو کاٹ کر ختم کر دیں گے۔ اسی طرح نظریہ بھی قوموں کے ثقافتی، تہذیبی، مذہبی اور معاشرتی بقا اور سلامتی کی علامت ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر موجودہ دور میں امت مسلمہ ایمان کی حلاوت پانا اور بحیثیت مجموعی ترقی کرنا چاہتی ہے تو اسے اپنے بنیادی نظریات اپنا کر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنا ہوگا وگرنہ گمراہی و پستی اور ذلت و غلامی اس کا مقدر بن جائے گی۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ.(۱)

''بے شک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے آپ میں خود تبدیلی پیدا کر ڈالیں۔''

سوال نمبر 74: نظریاتی حملہ کیا ہے اور اس کا تدارک کیسے ممکن ہے؟

جواب: نظریاتی حملہ عام مسلمانوں کو بالعموم اور نوجوان نسل کو بالخصوص ذہنی اور فکری طور پر اسلام سے دور کرنے کا باعث بن رہا ہے۔ یہ حملہ جھوٹے افکار و نظریات کی مدد سے کیا جا رہا ہے۔ دینی تربیت سے بے بہرہ نوجوان جب کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر پہنچ کر مغربی فلسفوں اور نظریات کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ دینی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر مادہ پرستانہ نظریات کی بھول بھلیوں میں کھو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایمان بالغیب، آخرت، نبوت اور رسالت کے بارے میں ان کے عقائد کمزور پڑنے لگتے ہے۔ اس طرح نا پختہ ذہن رکھنے والے نوجوان نہ صرف یہ کہ قرآن و حدیث کی تعلیمات پر کان نہیں

(۱) الرعد، ۱۳: ۱۱

دھرتے بلکہ وہ اسلام کے تمام تصورات کو بھی نا قابل عمل سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس نظریاتی حملہ کے نتیجے میں رونما ہو رہا ہے جو اسلام دشمن قوتیں سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اہل اسلام کے قلب و باطن پر کر رہی ہیں۔

نظریاتی حملے کا واحد تدارک یہ ہے کہ اسلام کو روایتی انداز کی بجائے سائنسی انداز اور مضبوط دلائل کے ساتھ پیش کر کے نوجوان نسل کو یہ یقین دلایا جائے کہ فکری، نظریاتی اور استدلالی اعتبار سے اسلام سے بہتر دنیا کا کوئی نظام نہیں ہے۔ انہیں یہ باور کرایا جائے کہ جدید فکر اور نظریے مادیت سے جنم لیتے ہیں جبکہ اسلامی نظریے اور فکر کا سر چشمہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات مقدسہ اور قرآن حکیم کی بنیادی و اساسی تعلیمات ہیں۔ لہٰذا موجودہ نسل کو محض فتوؤں کے زور پر دوزخ کی آگ کے خوف سے اسلام کی طرف بلانے کی بجائے ان کے سامنے ایمان اور اسلام کو اس انداز سے پیش کیا جائے کہ وہ جان لیں کہ تمام مسائل کا حل قرآن و سنت میں موجود ہے۔ اگر ایسا کیا جائے تو پھر نوجوانوں کے عقائد کی بنیادیں متزلزل ہونے کی بجائے مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جائیں گی۔ کیونکہ بقول اقبال:

نہیں ہے نا امید اقبالؔ اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

اسلام کا حقیقت پسندانہ مطالعہ تعلیمات اسلام پر عمل ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے اس حملے کے منفی اثرات کی روک تھام میں مدد ملتی ہے جو انسانی شعور کے راستے سے امت مسلمہ کے ایمان پر وارد ہوتے ہیں۔

سوال نمبر 75: ثقافتی حملہ سے کیا مراد ہے اور اس کا تدارک کیسے

ممکن ہے؟

جواب: مغربی تہذیب و ثقافت کی صورت میں ہونے والے حملے سے مراد ثقافتی حملہ ہے، جس کے زیر اثر نوجوان نسل کے معاشی اور سماجی تصورات زندگی بدل رہے ہیں۔ اخلاقی، عائلی، سماجی اور معاشرتی قدریں کمزور پڑتی جا رہی ہیں اور نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ فحاشی، عریانی اور بے راہروی کے سیلاب نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے جس کے نتیجے میں معاملہ اس حد تک بگاڑ کا شکار ہو گیا ہے کہ بیٹیاں اپنے باپ دادا اور بزرگوں کے سامنے سر ڈھانپنا تو درکنار بے حجاب گھومنے پھرنے میں ذرہ بھر شرم محسوس نہیں کرتیں۔ مغربی تہذیب و ثقافت کی یلغار نے تمام معاشرتی قدروں کو خطرناک اور نام نہاد جدت پسندی کا رخ دے دیا ہے، نتیجتاً شریعت کی گرفت کمزور پڑنے کے باعث ہماری زندگی سے اسلامیت یوں رخصت ہوئی کہ ہم محض نام کے مسلمان رہ گئے اور ہمارا اسلامی تشخص ہماری مسلمانی پر بقول اقبال یوں آہ وزاری کر رہا ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

ثقافتی حملہ سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے قدم کے طور پر امت مسلمہ کے اندر بالعموم اور نوجوان نسل کے اندر بالخصوص حضور ﷺ کی سیرت مطہرہ اور سنت طیبہ سے محبت اور قلبی وابستگی پیدا کی جائے اور عملی اسلام کا وہ چہرہ ان کے سامنے پیش کیا جائے جو ان کے لئے کشش کا باعث ہو اور جس سے یہ واضح ہو کہ پیغمبر انسانیت اور ہادی برحق ﷺ نے اعلیٰ، بامقصد

زندگی اور تہذیب و ثقافت کے بہترین نمونے اور اخلاقی قدروں کا جو نظام عطا کیا وہ عملی سطح پر دنیا سے افضل ہے۔ آج وقت کی اہم ترین ضرورت نئی نسل کو اسلام کے اصولوں اور تہذیبی و ثقافتی اقدار سے روشناس کرانا ہے۔ اسلامی اقدار کو کمزور کرنے میں جہاں اسلام دشمن طاقتیں بر سر عمل ہیں وہاں بعض والدین بھی منفی کردار ادا کر رہے ہیں کیونکہ وہ اپنے بچوں کی بچپن سے ہی ذہنی تربیت غیر اسلامی تہذیبی سانچوں میں ڈھال کر کرتے ہیں۔ ہر چیز کا ای وقت ہوتا ہے جب لوہا گرم ہو تو اسے جس طرح چاہے پگھلا کر موڑ سکتے ہیں لیکن اگر آپ کی غفلت کی وجہ سے لوہا ٹھنڈا ہو کر جم گیا تو پھر اس میں کسی طرح کی تبدیلی ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ سب سے اہم ذمہ داری ہمارے علماء، ائمہ مساجد، ادیب، شعراء اور اہل قلم پر بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ اس قیمتی اثاثہ کی حفاظت کریں جو اسلام کی نایاب ترین اقدار اور ثقافت میں پایا جاتا ہے ان پر لازم آتا ہے کہ وہ اپنے کلام، وعظ اور اپنے دیوان میں اسلام کی روایات و اقدار کو قرآن وسنت کی روشنی میں پروان چڑھائیں۔

جیسا کہ ارشاد گرامی ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ (۱)

’’تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر ای سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔‘‘

ہر شخص اپنے دائرہ کار کے اندر جوابدہ ہے۔ کوئی گھر کا سربراہ ہے تو اس سے گھر کے معاملات کے بارے میں اور اگر کسی شخص کا اختیار محلے، قصبے،

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب النکاح، ۵: ۱۹۸۸، رقم: ۴۸۹۲

شہر، صوبے اور ملکی سطح ۔ ہے تو اس کی جواب طلبی کا دائرہ ان تمام سطحوں ۔ پھیلا ہوا ہو گا اور۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کے عملی نظام کو گھر کی سطح سے لے کر اجتماعی اور ملکی سطح پر نافذ کر دیا جائے تا کہ دور جدید کی تہذیب و ثقافت کی تند و تیز آندھیوں سے نوجوان نسل کے ایمان کی بجھتی ہوئی شمع کو محفوظ کیا جا سکے۔

سوال نمبر 76: امت مسلمہ کے خلاف ہونے والے جذباتی حملہ سے بچاؤ کیسے ممکن ہے؟

جواب: عصر حاضر میں خطرناک ترین حملہ نفسانی راستوں سے کیا جا رہا ہے۔ نوجوان نسل بد قسمتی سے نفس پرستی کے مشاغل میں بری طرح گرفتار ہے۔ اسلامی ممالک میں شراب نوشی اور رقص و سرور کی محفلیں معمول کی بات بن گئی ہیں۔ ہوٹلوں اور منی سینما کے علاوہ تمام سینما گھروں میں حیاء سوز فلموں نے عام لوگوں کی اخلاقیات پر کاری ضرب لگائی ہے۔ میڈیا (کیبل، انٹرنیٹ اور نائٹ کلب) کے ذریعے غیر اخلاقی پروگراموں کا سیلاب گھروں کے اندر بیٹوں اور بیٹیوں کی حیاء اور عفت و پاکیزگی کو خس و خاشاک کی طرح بہائے لیے جا رہا ہے۔

الغرض جذباتی حملے نے ایمان کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں جس کے نتیجے میں نوجوان نسل بلا تمیز مرد و زن بد اخلاقی کی نذر ہو رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ زوال کا شکار ہے اور اسلامی تعلیمات سے دور نفرت زدگی کا شکار ہو کر فکری و سیاسی غلامی کی زندگی گزار رہی ہے۔

جب جذباتی سطح پر بگاڑ واقع ہو جائے تو اس کا علاج وعظ سننے اور

کتابیں پڑھنے سے نہیں ہوتا کیونکہ کتابیں تو محض شعور پر دستک دیتی ہیں لیکن جب ذہن میں انتشار ہو تو کتابیں، وعظ اور پند و نصیحت کب دل پر اثر کرتی ہیں۔ جب دل بے سکون اور روح بے چین ہو تو نماز روزہ اور اللہ کی یاد میں دل نہیں لگتا۔ ایسی صورتحال میں جذباتی حملہ کے تدارک کی واحد صورت اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جذباتی و روحانی تعلق کی بحالی ہے جو تصوف، روحانیت اور صحبت صلحاء ہی سے ممکن ہے کیونکہ اولیاء کرام اور صالحین کا طریقہ تربیت عام علماء اور مبلغین سے مختلف ہوتا ہے وہ قریب آنے والوں پر پہلے دن ہی اعمال کا بوجھ نہیں ڈالتے اور ''یہ کرو وہ نہ کرو'' کی لمبی چوڑی فہرست اور مطالعہ کتب کے بوجھ تلے ان کا کچومر نہیں نکالتے بلکہ دل میں ای چنگاری بھڑکا دیتے ہیں جس سے طبیعت میں بے قراری پیدا ہو جاتی ہے۔ دل خود بخود اللہ کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور ایمان کا نور انہیں نظر آنے لگتا ہے۔ جب دولت ایمان دل میں گھر کرنے لگے اور طبیعت رفتہ رفتہ ہدایت کی طرف مائل ہو جائے تو پھر آہستہ آہستہ انہیں مسائل و احکام شریعت سے روشناس اور اعمال کے لئے مکلّف ٹھہرایا جاتا ہے۔ لہٰذا آج کے اس دور زوال میں اگر یہی روح از سرنو دوبارہ زندہ ہو جائے تو امت مسلمہ کے دین و ایمان کی کھوئی ہوئی دولت کی باز یابی کے امکانات روشن ہو سکتے ہیں اور اجتماعی سطح پر پیدا ہو جانے والے بگاڑ کی اصلاح کی جا سکتی ہے۔

سوال نمبر 77: ایمان میں حضور نبی اکرم ﷺ سے تعلق کی کیا اہمیت ہے؟

جواب: ایمان حضور نبی اکرم ﷺ سے قلبی تعلق استوار کر لینے ہی کا نام ہے

اور اگر یہ تعلق استوار نہ ہو تو ایمان کے درجے کونہیں پہنچا جا سکتا۔ حضور نبی کریم ﷺ کا واضح ارشاد گرامی ہے:

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب اور عزیز نہ ہو جاؤں۔'' (۱)

یہ حدیث مبارکہ اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ایمان کا معیار اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ دنیا و مافیہا کی ہر شے سے بڑھ کر حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات سے محبت کی جائے اور جب تک یہ کیفیت پیدا نہ ہو کوئی شخص نام کا مسلمان تو ہوسکتا ہے مومن نہیں ہوسکتا۔

ایک دفعہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: اے عمر! تمہیں مجھ سے کتنی محبت ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو ابھی مرحلۂ تربیت سے گزر رہے تھے عرض کرنے لگے: ''حضور! مجھے سب سے بڑھ کر آپ کی ذات سے محبت ہے مگر گاہے بگاہے محسوس ہوتا ہے کہ اولاد کی محبت آپ کی محبت سے قدرے زیادہ ہے۔'' حضور نبی اکرم ﷺ فرمانے لگے: ''اے عمر! اگر یہ بات ہے تو تمہارا ایمان ابھی مکمل نہیں ہوا۔'' اس فرمان کے بعد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دل کی کایا پلٹ گئی، یہاں تک کہ ان کے دل میں حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت دیگر تمام محبتوں پر غالب آ گئی اور وہ بے ساختہ پکار اٹھے: رب ذوالجلال کی قسم! اب حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ ہے اور مرتے دم تک کبھی کم نہیں ہوگی۔ اس پر آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر

(۱) بخاری، الصحیح، حب الرسول ﷺ من الایمان، ۱: ۱۴، رقم: ۱۴

فرمایا: ''اب تمہارا ایمان مکمل ہوا۔''(۱)

یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ظاہر و باطن ایک تھا اور ان کے کردار میں منافقت کا شائبہ تک نہ تھا۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استفسار پر دل کی بات بتا دی۔

سوال نمبر 78: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کون سے اعمال تھے جنہوں نے انہیں ایمان کے بلند ترین مرتبے پر فائز کر دیا؟

جواب: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی ایک عمل یا چند اعمال ایسے نہ تھے جنہوں نے انہیں ایمان کے بلند مرتبے پر فائز کیا بلکہ ان کا ہر عمل حتی الامکان سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ قیامت تک آنے والے اہل ایمان کے لئے کامل نمونۂ ہدایت بن گئے تھے۔ صحابی ہونے کے شرف نے انہیں روئے زمین کے تمام انسانوں سے ممتاز بنا دیا اور یہ صحابیت ہی ان کے لئے وجہ امتیاز ٹھہری، یہ گویا اس بات کی دلیل بن گئی کہ انہوں نے اپنی ہر نسبت کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت پر قربان کر دیا اور اپنے کردار کی ساری جہتیں اور فضیلتیں صحبت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نثار کر دیں۔

قرآن حکیم نے بھی فیض صحبت پانے والے ان جاں نثاران مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہی تصور دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَ رِضْوَانًا.(۲)

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الایمان، ۶: ۲۴۴۵، رقم: ۶۲۵۷

(۲) الفتح، ۴۸: ۲۹

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں۔ اور آپس میں نرم دل، تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے، سجدے میں گرتے، اللہ کا فضل و رضا چاہتے ہوئے۔''

یہ آیۃ کریمہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سیرت و کردار کے اس گوشے کو اجاگر کر رہی ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کے اتباع اور غلامی کے نتیجے میں ای تابندہ مثال بن گیا۔

سوال نمبر 79: ایمان پہلے ہے یا عمل؟

جواب: ایمان پہلے ہے اور عمل بعد میں ۔اس کی مثال اس طرح ہے کہ جس طرح ای تناور درخت بننے کے لئے جڑ کا ہونا پہلے ضروری ہے اسی طرح ایمان کے بغیر عمل مقبول نہیں ہوسکتا۔ نیک اعمال روحانی غذائیں ہیں اور ایمان اس کے ساتھ نہ ہوتو پھر بندہ نیک اعمال کے باوجود حالتِ کفر میں ہو گا جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًاO(۱)

''یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا اور (مرنے کے بعد) اس سے ملاقات کا انکار کر دیا ہے۔ سو ان کے سارے اعمال اکارت گئے، پس ہم ان کے لئے قیامت کے دن کوئی وزن اورمشیت (ہی) قائم نہیں کریں گے O''

یہ ارشاد ربانی عمل کے مقابلے میں ایمان کی فوقیت کا آئینہ دار ہے۔

(۱) الکہف: ۱۸: ۱۰۵

ایمان سے محرومی انسان کی اخروی زندگی دائمی خسارے کا موجب بن جائے گی۔

سوال نمبر 80: ایمان میں بدنی اعمال کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: اصل ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے۔ بدنی اعمال اصلاً ایمان کا جزو نہیں البتہ کمال ایمان کی شرط ضرور ہیں لیکن وہ اعمال جو بالکل ایمان کے منافی ہوں ان پر عمل کرنے والے کو کافر کہا جائے گا۔ جیسے بت، چاند، سورج وغیرہ کو سجدہ کرنا، اسی طرح کسی نبی یا قرآن کریم، کعبہ معظّمہ یا کسی سنت کی توہین کرنا یقیناً کفر ہیں۔ جس شخص سے یہ افعال صادر ہوں اسے از سر نو اسلام لانے اور (اگر شادی شدہ ہو تو) اس کے بعد اپنی عورت سے دوبارہ نکاح کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

سوال نمبر 81: مومن کی تعریف کیا ہے؟

جواب: مومن وہ ہے جس میں صفت ایمان پائی جائے اور اس کا قلب و باطن اللہ کے حضور اس طرح جھک جائے کہ اس کے دل میں خدا اور اس کے رسول ﷺ سے متعلق کوئی ادنی درجے کا وہم یا شک بھی موجود نہ ہو۔

سوال نمبر 82: مومن کتنی قسم کے ہیں؟

جواب: مومن دو قسم کے ہیں: ایک مومن صالح اور دوسرا مومن فاسق۔ مومن صالح وہ ہے جو زبان سے ایمان کے اقرار اور دل سے اس کی تصدیق کے ساتھ ساتھ احکام شریعت کی پابندی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہو، اور اس کا عمل شرع کے امر و نہی کے خلاف نہ ہو۔ جبکہ مومن فاسق وہ ہے جو احکام شریعت کی تصدیق اور اقرار تو کرتا ہو لیکن اس کا عمل ان

احکام شرعی کے خلاف ہو، جیسے بعض مسلمان نماز، روزہ کو فرض تو جانتے ہیں مگر ادا نہیں کرتے۔ ایسے افراد مومن فاسق کہلائیں گے۔

سوال نمبر 83: احادیث کی رو سے مومن کے اوصاف کیا ہیں؟

جواب: مومن کے اوصاف جو مختلف احادیث سے اخذ کیے گئے ہیں درج ذیل ہیں:

۱۔ مومن وہ ہے جس سے دوسرے اہل ایمان کی جانیں اور اموال محفوظ و مامون ہوں۔ (۱)

۲۔ مومن مومن کا بھائی ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ دوسرے بھائی کی خریدی ہوئی چیز کو خریدے اور کسی دوسرے مومن کے سودے پر اس کے بعد سودا کرے، وہ خود چھوڑ دے تو الگ بات ہے۔ (۲)

۳۔ ایمان کے لحاظ سے کامل مومن وہ ہے جس کا خُلق سب سے بہتر ہے۔ (۳)

۴۔ مومن پر مومن کے سات حقوق واجب ہیں جو اللہ کی طرف سے عائد کیے گئے ہیں۔

۱) اس کی نگاہوں میں اس کے لئے عزت و تکریم ہو۔

۲) دل میں محبت و مؤدت ہو۔

۳) اسے اپنے مال سے حصہ دے۔

---

(۱) نسائی، ۲: ۲۳۰

(۲) مسلم، الصحیح، ۱: ۴۵۴

(۳) مشکوٰۃ: ۴۳۳

۴) اس کی غیبت نہ کرے۔

۵) اگر وہ بیمار ہوتو اس کی بیمار پُرسی کرے۔

۶) اس کی وفات کی صورت میں اس کے جنازے میں شری ہو۔

۷) اس کی موت کے بعد اسے بہتر کلمات سے یاد کرے۔(۱)

۵۔ سچا مومن وہ ہے جو فقیر پر اپنا مال خرچ کرے اور لوگوں کے ساتھ عدل وانصاف سے پیش آئے۔(۲)

۶۔ مومن، مومن کا آئینہ ہے، اسے اس میں عیب نظر آئے تو اصلاح کرے۔(۳)

۷۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! مومن کا قتل اللہ کے نزدی دنیا کے زوال سے بھی بڑا ہے۔''

۸۔ اکیلا مومن جماعت کی طرح ہے۔(۴)

مومن کے جو اوصاف احادیث مبارکہ کی روشنی میں بیان ہوئے وہ یہ کہ مومن ای دوسرے کے بھائی اور دست و بازو ہیں، انہیں چاہیے کہ آپس میں مل جل کر رہیں، دوسرے کے دکھ کو اپنا دکھ، اس کی خوشی کو اپنی خوشی جانیں اور ان کی غیبت، عیب جوئی اور دیگر معاشرتی برائیوں سے بچیں۔

---

(۱) ابن بابویہ بحوالہ منہاج الصالحین: ۹۱

(۲) طحاوی، بحوالہ منہاج الصالحین: ۹۱

(۳) بخاری، بحوالہ منہاج الصالحین: ۹۱

(۴) نسائی، ۲: ۱۴۵

سوال نمبر 84: اللہ تعالیٰ مومن کو ایمان کے کن درجات سے نوازتا ہے؟

جواب: وہ مومن جو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ پر سچے دل سے ایمان لاتا ہے، اس کے تمام تقاضے پورے کرتا اور اس پر ثابت قدم رہتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ نہ صرف درجہ صدیقیت پر فائز کرتا ہے بلکہ اسے بغیر گردن کٹائے درجہ شہادت بھی عطا کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ ایمان کے اس درجے میں اللہ کی گواہی دینے والا اور اس پر شاہد بن جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ.(۱)

’’وہی (خوش نصیب) اللہ کی جناب میں صدیق اور شہید ہیں۔ ان کے لئے (خصوصی) اجر اور ان کا (مخصوص) نور ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ اپنے لیے تقوی اختیار کرنے والوں اور اس کے حبیب ﷺ پر ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت کے دو حصے عطا کرتا ہے اور انہیں ایسے نور سے بہرہ مند فرماتا ہے جس کی برکت سے ان کے لئے گمراہی ہدایت میں بدلتی چلی جائے گی اور قیامت کے دن بھی وہ نور ان کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہوگا جس کی روشنی میں وہ چلیں گے۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ.(۲)

(۱) الحدید، ۵۷ : ۱۹

(۲) الحدید، ۵۷ : ۲۸

’’اے ایمان والو! اللہ کے لئے تقویٰ اختیار کر لو اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آؤ تو (اللہ تعالیٰ) تمہیں اپنی رحمت کے دو حصے عطا کرے گا اور ان کو وہ نور عطا کرے گا جس میں وہ چلیں گے۔‘‘

سوال نمبر 85: اگر کسی شخص کو زندگی بچانے کے لئے کلمہ کفر بولنے پر مجبور کیا جائے تو کیا اس کا ایمان زائل ہو جائے گا؟

جواب: نہیں! اگر کسی شخص کو زندگی بچانے کے لئے کلمۂ کفر بولنے پر مجبور کیا جائے تو اس کا ایمان زائل نہیں ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے رخصت ہے کہ وہ جان بچانے کے لئے مجبوراً اظہار کفر کرے اور دل میں اپنے ایمان پر قائم رہے۔ قرآن حکیم میں واضح طور پر فرما دیا گیا ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝(۱)

’’جو شخص اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کرے، سوائے اس کے جسے انتہائی مجبور کر دیا گیا مگر اس کا دل (بدستور) ایمان سے مطمئن ہے، لیکن (ہاں) وہ شخص جس نے (دوبارہ) شرح صدر کے ساتھ کفر (اختیار) کیا سو ان پر اللہ کی طرف سے غضب ہے، اور ان کے لئے زبردست عذاب ہے ۝‘‘

(۱) النحل، ۱۶: ۱۰۶

سوال نمبر 86: منافق کسے کہتے ہیں؟

جواب: جو شخص ظاہراً زبان سے تو ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت کا اظہار کرتا ہے مگر دل سے اس کو تسلیم نہیں کرتا، ایسا شخص منافق ہے۔

سوال نمبر 87: منافقت کی علامات کیا ہیں؟

جواب: منافقت ایسے طرزِ عمل کو کہتے ہیں جو قول و فعل کے تضاد سے عبارت ہو جس میں انسان کا ظاہر، باطن سے مختلف بلکہ برعکس ہو۔ سورۃ البقرہ کی آیات ۸ تا ۲۰ میں مسلسل منافقین کی علامات بیان کی گئی ہیں۔ یہ علامات منافقین پر قرآن حکیم کا واضح چارٹر ہے جو اس لیے دیا گیا ہے کہ ہر شخص اپنے احوال اور معاملات کا جائزہ لے سکے اور ان کی روشنی میں اپنی اصلاح کی کوشش کر سکے۔ منافقت کی علامات درج ذیل ہیں:

۱) دعویٰ ایمان صرف زبانی حد تک کرنا اور باطن کا اس کی تصدیق سے خالی ہونا۔

۲) محض توحید و آخرت پر ایمان کو کافی سمجھنا اور رسالت محمدی ﷺ پر ایمان کو اس قدر ضروری نہ سمجھنا۔

۳) دھوکہ دہی اور مکر و فریب کی نفسیات کا پایا جانا۔

(۱) یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہماری حالتِ نفاق سے بے خبر ہیں۔

(۲) یہ سمجھنا کہ ہم اپنی مکاریوں، حیلہ سازیوں اور چالاکیوں سے دوسروں کو فریب دینے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔

۴) قلب و باطن کا بیمار ہونا۔

۵) جھوٹ بولنا۔

٦) نام نہاد اصلاح کے پردے میں مفسدانہ طرزِ عمل اپنانے کے باوجود خود کو صالح سمجھنا۔

۷) دوسروں کو بیوقوف اور صرف خود کو اہل عقل و دانش سمجھنا۔

۸) امت مسلمہ کی اکثریت کو گمراہ تصور کرنا۔

۹) اجماع امت یا سوادِ اعظم کی پیروی نہ کرنا۔

۱۰) کردار میں دوغلا پن اور ظاہر و باطن کا تضاد ہونا۔

۱۱) اہل حق کے خلاف خفیہ سازشیں اور تخریبی منصوبے تیار کرنا۔

۱۲) مسلمانوں پر طنز، طعنہ زنی اور حقیر سمجھتے ہوئے ان کا مذاق اڑانا۔

۱۳) باطل کو حق پر ترجیح دینا۔

۱۴) سچائی کی روشن دلیل دیکھتے ہوئے بھی اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لینا۔

۱۵) تنگ نظری اور دشمنی میں اس حد تک چلے جانا کہ کان حق بات نہ سن سکیں، زبان حق بات نہ کہہ سکے اور آنکھیں حق نہ دیکھ سکیں۔

۱٦) اسلام کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات سے گھبرانا اور ان سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرنا۔

۱۷) اہل حق کی کامیابیوں پر حیران رہ جانا اور ان پر حسد کرنا۔

۱۸) اپنے مفادات کے حصول کے لئے اہل حق کا ساتھ دینا اور خطرات و مصائب میں قربانی سے گریز کرتے ہوئے ان سے علیحدہ ہو جانا۔

۱۹) حق کے معاملے میں نیم دلی اور ہچکچاہٹ کی کیفیت میں مبتلا رہنا۔

سوال نمبر 88: مومن، مسلم اور اور منافق میں کیا فرق ہے؟

جواب: مومن ہونے کی بنیاد زبان سے کلمۂ حق کا اقرار اور دل سے اس کی تصدیق ہے، مسلم ہونے کا دار و مدار اعمال اور اطاعت و فرمانبرداری پر ہے۔ جبکہ منافق کا ظاہر باطن سے مختلف بلکہ بالکل برعکس ہوتا ہے۔

اس سے فرق واضح ہو جاتا ہے کہ وہ شخص جس کا ظاہر اللہ کے حضور جھک گیا مسلم ہو گیا، جس کا قلب و باطن اللہ کے حضور جھک گیا وہ مومن ہو گیا اور جس نے محض زبان سے اقرار کیا اور دل سے اس کی تصدیق نہ کی وہ منافق ہو گیا۔

سوال نمبر 89: مرتد کسے کہتے ہیں؟

جواب: اسلام کا کلمہ پڑھ کر جو مسلمان ہو جائے اور اس کے بعد کلمہ کفر کہے اور اس پر قائم رہے، ایسے شخص کو مرتد کہتے ہیں۔

سوال نمبر 90: کافر کسے کہتے ہیں؟

جواب: وہ شخص جو دل سے ایمان کو تسلیم کرے اور نہ زبان سے خدا کی وحدانیت اور حضور نبی اکرم ﷺ کی رسالت کا اقرار کرے اسے کافر کہتے ہیں۔

سوال نمبر 91: اگر ایمان سے محروم لوگ اچھے کام کریں تو کیا ان کو دنیا و آخرت میں اجر ملے گا؟

جواب: اللہ رب العزت نے ایمان کے حوالے سے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ نِاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ط لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ط

ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝[1]

''جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ان کی مثال یہ ہے کہ ان کے اعمال (اس) راکھ کی مانند ہیں جس پر تیز آندھی کے دن سخت ہوا کا جھونکا آ گیا، وہ ان (اعمال) میں سے جو انہوں نے کمائے تھے کسی چیز پر قابو نہیں پا سکیں گے، یہی بہت دور کی گمراہی ہے ۝''

اس آیت کریمہ میں ایمان سے محروم لوگوں کے اچھے اعمال کی مثال یہ بیان فرمائی کہ جیسے راکھ کا ڈھیر ہو اور تیز آندھی چلے اور اس کو اڑا کر لے جائے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان کے بغیر کیے گئے اچھے اعمال کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔

سوال نمبر 92: وہ کون لوگ ہیں جن کے ایمان کو حضور نبی اکرم ﷺ نے عجیب ترین ایمان قرار دیا؟

جواب: وہ خوش نصیب جن کے مشاہدے میں حضور نبی اکرم ﷺ کا حسن بے حجاب صبح و شام آتا ہو اور آنکھیں ہر لمحہ آپ ﷺ کے دیدار سے ٹھنڈی ہوتی ہوں تو یہ سب دیکھ لینے کے بعد اگر وہ ایسے رحیم و کریم اور مہربان و حسین آقا کی عظمت کے قائل ہو جائیں تو کوئی بڑی بات نہیں، (اگرچہ ایک لحاظ سے یہ بڑی بات ہے کیونکہ بعض لوگ اتنے تنگ نظر، کدورت پسند اور حاسد ہوتے ہیں کہ سمندر کو بہتا اور سورج کو چمکتا دیکھ کر بھی اس کا انکار کر دیتے ہیں)۔ لیکن وہ غلام جو آقا ﷺ کی زیارت کیے بغیر انہیں اپنا محبوب اور ملجا و ماوٰی مان لیں، ان کی منفرد شانوں پر ایمان لے آئیں اور ان کے ارشادات مبارکہ کو

---

(۱) ابراہیم، ۱۴: ۱۸

حرزِ جان بنا لیں تو یہ بڑی بات ہی نہیں بلکہ ایمان کی یہ حالت بڑی تعجب خیز اور قابل رشک ہے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث مبارکہ میں ایمان کی عجیب تر حالت کی عکاسی کی گئی ہے۔ ایک دن صحابہ کرام ﷡ کی جماعت سے حضور نبی اکرم ﷺ نے بڑا ایمان افروز سوال کیا:

اَیُّ الْخَلْقِ اَعْجَبُ اِلَیْکُمْ اِیْمَانًا؟

''تمہارے نزدیک کس مخلوق کا ایمان عجیب ترین ہے؟''

صحابہ کرام ﷡ نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! فرشتوں کا''

آپ ﷺ نے فرمایا:

وَمَالَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ؟

''وہ کیسے ایمان نہ لائیں جبکہ وہ اللہ کی حضوری میں ہوتے ہیں اور ہمہ وقت اس کی تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے ہیں۔''

صحابہ کرام ﷡ نے عرض کیا:

''(یا رسول اللہ!) انبیاء اکرام کا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

وَمَالَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَالْوَحْیُ یَنْزِلُ عَلَیْھِمْ ؟

''وہ کیسے ایمان نہیں لائیں گے جبکہ ان پر وحی اترتی ہے؟''

صحابہ کرام ﷡ نے (معصومیت بھرے انداز سے) عرض کیا:

''(یا رسول اللہ!) پھر ہمارا ایمان عجیب تر ہوگا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

وَمَالَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ وَ اَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ؟

’’کیا تم (اب بھی) ایمان نہ لاؤ گے جبکہ تمہارے سامنے ہر وقت میرا سراپا رہتا ہے؟‘‘

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلَا! اِنَّ اَعْجَبَ الْخَلْقِ اِلَیَّ اِيْمَانًا لَقَوْمٌ يَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ يَجِدُوْنَ صُحُفًا فِيْهَا كِتَابٌ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا فِيْهَا.(۱)

’’میرے نزدیک ساری کائنات میں سب سے عجیب (قابل رشک) ایمان ان لوگوں کا ہے جو تمہارے بعد ہوں گے۔ وہ صرف اوراق پر لکھی ہوئی کتاب دیکھیں گے اور اس پر ایمان لے آئیں گے۔‘‘

آپ ﷺ پر بن دیکھے ایمان لانے والے اور عشق کرنے والے ہر وقت حبیب خدا ﷺ کے دھیان ہی میں نہیں بلکہ محبوب کی نگاہوں میں رہتے ہیں اور اب نہیں بلکہ جب وہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے کہ آقا ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے فرما دیا کہ میرے وہ امتی جو بعد میں آئیں گے ان کا ایمان قابل رشک حد تک عجیب تر ہو گا۔

سوال نمبر 93: علم غیب سے کیا مراد ہے؟

جواب: علم غیب سے مراد ایسا علم ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے ذریعہ سے معلوم نہ ہو سکے۔ اور یہ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے اور وہی ذات عالم الغیب ہے۔

سوال نمبر 94: کیا علم غیب عطا ہو کر بھی غیب ہی کہلاتا ہے؟

(۱) مشکوٰۃ المصابیح، باب ثواب ھذہ الامۃ، ۵۸۴

جواب: جی ہاں! علم غیب عطا ہو کر بھی غیب ہی کہلاتا ہے کیونکہ قرآن حکیم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے جب حضور نبی اکرم ﷺ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات کی خبر دی تو اس باب میں ارشاد فرمایا:

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ. (۱)

''یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں۔''

اس سے ثابت ہوا کہ علم غیب وحی کے ذریعے عطا ہونے کے بعد بھی قرآنی اصطلاح میں ''غیب'' ہی کہلاتا ہے۔

سوال نمبر 95: ایمان بالغیب سے کیا مراد ہے؟

جواب: ایمان بالغیب سے مراد بن دیکھے ان حقیقتوں پر ایمان لانا ہے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ﷺ نے اپنی زبان اقدس سے فرمایا۔

سوال نمبر 96: کمزور ایمان والوں پر شیطان کیسے حملہ آور ہوتا ہے؟

جواب: کافر لوگ تو پہلے ہی شیطان کے راستے پر چل رہے ہوتے ہیں جبکہ کامل مومنین پر شیطان کا حملہ کرنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ شیطانی عزائم کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''میں ضرور ان سب کو گمراہ کر کے رہوں گا، سوائے تیرے ان برگزیدہ بندوں کے جو (میرے اور نفس کے فریبوں سے) خلاصی پا چکے ہیں۔''(۲)

اس لیے شیطان کامل ایمان والے لوگوں سے زیادہ کمزور ایمان

(۱) یوسف، ۱۲: ۱۰۲

(۲) الحجر، ۱۵: ۴۰

والوں کو گمراہ کرنے میں جلد کامیاب ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے قسم کھائی ہوئی ہے:

''میں (بھی) ان (افراد بنی آدم کو گمراہ کرنے) کے لئے تیری سیدھی راہ پر ضرور بیٹھوں گا (تا آنکہ انہیں راہ حق سے ہٹا دوں)۔'' (۱)

اعمال صالحہ کی کمی ایمان میں کمزوری کا سبب بنتی ہے۔ ایمان پختہ نہ ہونے کی وجہ سے شیطان دلوں میں وسوسے اور شکوک وشبہات پیدا کرتا ہے۔ مثلاً یہ وسوسے کہ وجود باری تعالیٰ کی حقیقت، کیا ہے، جنت و دوزخ کا وجود ہے یا نہیں۔ یہ شکوک وشبہات ایمان اور یقین کو کمزور کرتے چلتے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''بے شک وہ خود (شیطان) اور اس کا قبیلہ تمہیں (ایسی ایسی جگہوں سے) دیکھتا (رہتا) ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔'' (۲)

سوال نمبر 97: ایمان کی حلاوت کن کو نصیب ہوتی ہے؟

جواب: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں جس شخص میں ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کی حلاوت پا لے گا۔

۱) پہلی یہ کہ خدا اور اس کا رسول اسے ہر شے سے زیادہ محبوب ہوں۔

۲) کسی شخص سے محبت صرف خدا کے لئے کرے یعنی دنیا کی کوئی غرض اسے مطلوب نہ ہو۔

---

(۱) الاعراف، ۷: ۱۶

(۲) الاعراف، ۷: ۲۷

۳) جب خدا نے اسے کفر سے نجات دے دی تو پھر دوبارہ کفر کی طرف لوٹنے کو اس طرح ناپسند کرے جس طرح اس چیز کو ناپسند کرتا ہے کہ اسے آگ میں پھینکا جائے۔ (۱)

سوال نمبر 98: ایمان کی صحت کی علامت کیا ہے؟

جواب: صحت ایمان کی صحت کی علامت یہ ہے کہ اللہ کے بندے اللہ تعالیٰ سے اپنی نسبت بندگی حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کے ذریعے قائم کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (۲)

''جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا۔''

ایمان اگر جسم ہے تو اطاعت و محبت رسول ﷺ اس کی روح ہے۔ جس طرح روح کے بغیر جسم بے کار ہے اسی طرح اطاعت و محبتِ رسول ﷺ کے بغیر ایمان کے نام پر کی جانے والی ہر کوشش بے سود اور بے نتیجہ ہے مثلاً جب انسان پر موت وارد ہوتی ہے تو فقط س کی روح نکلتی ہے اور اس کے جسم سے آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پاؤں الگ نہیں ہو جاتے بلکہ سب کچھ قائم رہتا ہے لیکن روح نکل جانے سے انسان کو زندہ نہیں بلکہ مردہ کہتے ہیں بالکل اسی طرح کا حال ہمارے اعمال کا ہے، اگر سارے کے سارے اعمال قائم رہیں لیکن اندر سے محبت اور اطاعت رسول ﷺ کا عنصر نکل جائے تو گویا ایمان جو سب ایمان کی روح ہے ختم ہو گئی۔ نمازیں، روزے، حج، زکوٰۃ، دعوت و تبلیغ

(۱) مسلم، الصحیح، ۱: ۴۹، بیان خصال من اتصف بھن وجد حلاوۃ الایمان

(۲) النساء، ۴: ۸۰

اگر یہ سب کچھ ہے لیکن محبت اور ادب رسول ﷺ سے خالی ہو تو پھر یہ بے روح عبادات اور اعمال مردہ لاشے ہیں جو ہم اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتے ہیں۔

سوال نمبر 99: ایمان کا مرکز و محور کیا ہے؟

جواب: ایمان کا مرکز و محور حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔ آپ ﷺ کے ساتھ تعلق اگر مضبوط و مستحکم ہو تو ایمان کامل ہے اور اگر کمزور ہو تو ناقص و نامکمل، اور اگر خدانخواستہ یہ تعلق ٹوٹ جائے تو ایمان کلیتًا ختم ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ لا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O[1]

”پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیںo“

دین، ایمان، علم، عمل، دعوت، تبلیغ الغرض پورے دین کا مرکز و محور حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے اور مومن کی پوری زندگی آپ ﷺ کی شخصیت مبارکہ کے گرد گھومتی ہے۔

---

(۱) الاعراف، ۷: ۱۵۷

سوال نمبر 100: امت کے ایمان کی پختگی کے لئے تحریک منہاج القرآن کیا کردار ادا کر رہی ہے؟

جواب: اس وقت ملت اسلامیہ ای ہمہ گیر ابتلاء و آزمائش کی آخری حدوں کو چھو رہی ہے۔ ان حالات میں ملت اسلامیہ میں اپنے احیا کی تڑپ اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی لگن کا پیدا ہونا ای فطری امر ہے۔ دوسو سالہ آزمائش کے نتیجے میں امت مسلمہ میں احساس پیدا ہوا ہے کہ اگر اسے ای با عزت اور خود مختار قوم کی حیثیت سے روئے زمین پر باقی رہنا ہے تو اسے اپنے انداز کو بدلنا ہو گا۔ اور اپنے خالق و مالک کی بندگی اور اس کے رسول کی غلامی کا طوق گلے میں ڈالنا ہو گا۔ تحری منہاج القرآن وقت کی اسی پکار کا جواب ہے۔ ملت اسلامیہ میں پیدا ہونے والی نشاۃ ثانیہ کی لگن اور احیائے اسلام کی اسی تڑپ کی آئینہ دار ہے۔ منہاج القرآن مسلکی و گروہی اور فرقہ وارانہ تعصّبات سے بالا تر محبت و اخوت کی علمبر دار ہے۔

تحری منہاج القرآن امت مسلمہ کی اصلاح احوال اور تربیت کے لئے افراد امت کا تعلق اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ مضبوط و مستحکم کرنے کی خاطر تین سطحوں پر کام کر رہی ہے:

ا۔ تعلق باللہ: اس مادہ پرستانہ دور میں بندے کا تعلق بندگی اللہ سے بوجوہ کمزور پڑ گیا ہے جس کی وجہ سے اعتقادی، اخلاقی اور روحانی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔

اس طرح ای فرد کے اندر پیدا ہونے والی خرابی پورے معاشرے کے ماحول کی خرابی پر منتج ہوتی ہے۔ اس کے تدارک کے لئے یونٹ سے لے

کر ضلع اور ضلع سے لے کر صوبے کی سطح ۔ محفل ذکر کا انعقاد کیا جاتا ہے اور اس طرح لوگوں کو محبت الٰہی، عبادت الٰہی اور خشیت الٰہی کی ترغیب دی جاتی ہے۔ رمضان المبارک میں روحانی بیداری کے لئے اجتماعی اعتکاف کا وسیع سطح پر انتظام کیا جاتا ہے جس میں لوگ خشوع و خضوع سے عبادت اور عشق رسول ﷺ سے سیراب ہو کر جاتے ہیں۔ تعداد کے اعتبار سے یہ تقریباً اسلامی دنیا میں مدینہ منورہ کے بعد سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے۔

۲۔ ربط رسالت: حضور نبی اکرم ﷺ سے قلبی تعلق استوار کر لینے کا نام ایمان ہے۔ آج کے اس دور میں حضور نبی اکرم ﷺ سے ہمارا تعلق غلامی اس قدر کمزور پڑ گیا ہے کہ حقیقت میں ہم اپنی منزل سے بہت دور ہٹ چکے ہیں لہٰذا ہمارے ایمان کی پختگی صرف اس میں مضمر ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے تعلق غلامی کو پختہ سے پختہ تر کیا جائے اور اس کی یہ کیفیت ہونی چاہیے کہ آپ ﷺ کی محبت کی تاثیرات سے یہ تعلق محض قال نہیں بلکہ ہمارا حال بن جائے۔ اس کے لئے تحریک منہاج القرآن محافل نعت کا انعقاد کرتی ہے جو عشق رسول ﷺ اور ادب و تعظیم رسول ﷺ کو فروغ دینے کا مؤثر ذریعہ ہے۔ تربیتی کیمپ بھی منعقد کیے جاتے ہیں اور ۱۲ ربیع الاول کو عظیم الشان وسیع سطح پر پروگرام منعقد کیا جاتا ہے جس سے نوجوان نسل میں عشق رسول ﷺ کا جذبہ پیدا کیا جاتا ہے۔

۳۔ رجوع الی القرآن: تحریک منہاج القرآن کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس امت کے ہر مرض کی تشخیص کر کے اس کا مناسب علاج تجویز کیا ہے۔ قرآن حکیم کی زندہ ہدایت سے انحراف ایسا مرض ہے جس نے امت کے تشخص

و وقار کو بے تحاشا نقصان پہنچایا ہے۔ اس کے لئے تحری منہاج القرآن ملک کے مختلف علاقوں میں درس قرآن کے ماہانہ اور ہفتہ وار حلقہ جات کا اہتمام کرتی ہے۔

مآخذ و مراجع

۱۔ **ابراھیم انیس۔ المعجم الوسیط۔** بیروت، لبنان: احیاء التراث العربی۔

۲۔ **ابن ابی شیبہ،** ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ)۔ **المصنف۔** ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۳۔ **ابن حبان،** ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ)۔ **الصحیح۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء۔

۴۔ **ابن حبان،** اَبو محمد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حبان اصبہانی (۲۷۴۔۳۶۹ھ)۔ **العظمہ۔** ریاض، سعودی عرب: دار العاصمہ، ۱۴۰۸ھ۔

۵۔ **ابن سعد،** ابوعبد اللہ محمد (۱۶۸۔۲۳۰ھ)۔ **الطبقات الکبریٰ۔** لبنان: دار بیروت۔

۶۔ **ابن کثیر،** ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱-۷۷۴ھ)۔ **تفسیر ابن کثیر۔** بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۷۔ **ابن منظور افریقی،** محمد بن مکرم بن منظور المصری (۶۳۰ھ-۷۱۱ھ)۔ **لسان العرب۔** بیروت، لبنان: دار بیروت۔

۸۔ **احمد بن حنبل،** ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۹۔ **بخاری،** ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ **الصحیح۔** بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔

۱۰۔ **بیضاوی،** ابوسعید عبداللہ بن عمر۔ **تفسیر بیضاوی۔** بیروت، لبنان: موسسۃ الاعلمی۔

۱۱۔ **حاکم،** ابوعبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ **المستدرک**

علی الصحیحین۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء۔
۱۲۔ **خطیب تبریزی**، محمد بن عبداللہ۔ **مشکوۃ المصابیح**۔ لبنان، دارالفکر، ۱۹۹۱ء۔
۱۳۔ **راغب اصفہانی**، حسین بن محمد بن المفضل، (م ۵۰۲ھ)۔ **مفردات فی غریب القرآن**۔ کراچی، نور محمد کارخانہ۔
۱۴۔ **زبیدی**، محبّ الدین ابی فیض السید محمد مرتضی الحسینی ۔ **تاج العروس من جواہر القاموس**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴م۔
۱۵۔ **زرقانی**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی (۱۰۵۵۔۱۱۲۲ھ/۱۶۴۵۔۱۷۱۰ء)۔ **شرح المواہب اللدنیہ**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء۔
۱۶۔ **طحاوی**، ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ (۲۲۹۔۳۲۱ھ/ ۸۵۳۔۹۳۳ء)۔ **شرح معانی الآثار**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۹ھ۔
۱۷۔ **طیالسی**، ابو داؤد سلیمان بن داؤد (۱۳۳۔۲۰۴ھ)۔ **المسند**۔ لبنان: دار المعرفہ۔
۱۸۔ **قسطلانی**، ابو العباس احمد بن محمد بن ابی بکر (۸۵۱۔۹۲۳ھ/ ۱۴۴۸۔۱۵۱۷ء)۔ **المواہب اللدنیہ**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء۔
۱۹۔ **مسلم**، ابن الحجاج قشیری (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ/۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔
۲۰۔ **نسائی**، احمد بن شعیب (۲۱۵۔۳۰۳ھ/۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔

کتب شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

۲۱۔ ایمان اور اسلام
۲۲۔ ارکان ایمان
۲۳۔ ایمان بالکتب
۲۴۔ ایمان بالآخرت
۲۵۔ ایمان بالقدر

۲۶۔ ایمان بالرسالت

۲۷۔ تصور دین اور حیات النبی کا سیاسی پہلو

۲۸۔ عقیدہ توحید اور حقیقت شرک

۲۹۔ تعلیمات اسلام

۳۰۔ منہاج الافکار

۳۱۔ اسلامی تربیتی نصاب

۳۲۔ ایمان پر باطل کا سہ جہتی جملہ اور اس کا تدارک

۳۳۔ منافقت اور اس کی علامات

۳۴۔ مومن کون ہے

۳۵۔ مقصد بعثت انبیاء علیہم السلام کی جامعیت و ہمہ گیریت

۳۶۔ تحریک منہاج القرآن

۳۷۔ اسلامی فلسفہ زندگی

۳۸۔ ایمان کا مرکز ومحور

۳۹۔ حیات النبی ﷺ

۴۰۔ تذکرے اور صحبتیں

۴۱۔ تذکار رسالت

۴۲۔ عقیدہ علم غیب

۴۳۔ حقیقت ایمان

۴۴۔ خصائص مصطفیٰ

۴۵۔ قرآنی فلسفہ انقلاب

آڈیو خطابات شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

۱۔ مفہوم ایمان — CA-1

۲۔ مومن کون ہے — CA-2

۳۔ حقیقت مذہب اور دین کے تصور کا تقابلی جائزہ	CA-4
۴۔ ایمان کے تین تمسکات	CA-6
۵۔ ایمان کیا ہے	CA-7/1,2
۶۔ آداب ایمان	CH-1,2
۷۔ ایمان بالغیب	CH-3
۸۔ ایمان اور اس کی حقیقت	CB-7
۹۔ ایمان کی پہچان تعلق مصطفیٰ ﷺ	CD-24
۱۰۔ ایمان بالکتب	CE-1,2
۱۱۔ ایمان بالآخرت	CF-1,2
۱۲۔ ایمان بالقدر	CG-1,2
۱۳۔ ایمان پر سہ جہتی حملہ	HB-8
اور اس کا تدارک	HB-16
۱۴۔ ایمان، نور اور اعتکاف	CA-8

وڈیو خطابات شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

۱۔ ایمان اور اسلام	VA-8
۲۔ ذات رسول (ﷺ) مرکز ومحور ایمان ہے	CH-4
۳۔ دین کا مرکز ومحور حضور (ﷺ) کی ذات ہے	CH-5
۴۔ ایمان پر باطل کے تین حملے اور اس کا دفاع	FC-24
۵۔ ایمان کا مرکز ومحور کیا ہے	LE-29
۶۔ ایمان کے بہتر (۷۲) سے زائد شعبے	LE-23
۷۔ ایمان کے تین تمسکات	H-12
۸۔ مومن اور منافق کی پہچان	CI-15
۹۔ محبت رسول حقیقت ایمان	CI-7
۱۰۔ مومنین کی صفات، منافقین کی علامات اور نفسیات	AD-16